دار المطالعہ
کتاب نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا دشمنانِ اسلام کی یلغار کے مقابلہ میں
ہمارے دینی اختلافات زیادہ اہم ہیں؟

دین کے آئینے میں

تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں اور
علمائے دین کے لیے خصوصی دعوتِ فکر

از
ڈاکٹر ارشد اللہ (ہومیو)

Marfat.com

آپ سے مؤدبانہ التماس ہے - کہ جب آپ
اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ربّ العزت
کی بارگاہ میں دعا کریں تو ازراہِ نوازش مجھ عاجز
اور میرے مرحوم والد میاں محمد عبد اللہ اور مرحومہ والدہ
کی بخشش کے لیے بھی ضرور دعا کریں ۔

مقصود احمد اختر ڈھولنوال لاہور ۱—۳—۷۰

تاریخ طباعت ——— ۱۹۷۵ء
پہلا ایڈیشن ——— چار ہزار
پریس ——— کنول آرٹ پریس۔ جان محمد روڈ
انارکلی۔ لاہور
ہدیہ کتاب ——— دعائے خیر بحق مصنف و ناشران

: ناشران :

محمد قاسم توحیدی	الحاج میاں مقصود احمد اختر
تھری سٹار پرنٹنگ پریس	ڈھولنوال ملتان روڈ
آبکاری روڈ۔ لاہور	لاہور
فون نمبر ۵۸۶۹۴	

فہرست مضامین

۱ : قارئین حضرات کی خدمت میں گزارش۔ ۶

۲ : پیش لفظ ۷

۳ : ماہرین کی رائے میں کتاب ۸ (ا)

۴ : ارشاد ربانی ۹

۵ : حمد و ثناء اور دعا ۱۱

۶ : کتاب لکھنے کا مقصد ۱۲

۷ : مسلمانوں کی بڑی قسمیں ۱۲

۸ : پاکستانی معاشرے کا حال ۱۴

۹ : مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ۱۵

۱۰ : مسلمان دینی بھائی ہیں ۱۵

۱۱ : تفرقہ نہ کرنے کی ہدایت ۱۶

۱۲ : باپ بیٹے سے بے نیاز ۱۸

۱۳ : دینی راہنمائی کون کرے ۱۸

۱۴ : تعلیم یافتہ طبقہ میں تبلیغ کی ضرورت ۲۰

۱۵ : علمائے دین سے مسلمانوں کو شکایت ۲۱

۱۶ : دشمنان اسلام کی یلغار ۲۲

۱۷ : مادہ پرستی لالچ و خود غرضی پیدا کرتی ہے ۲۵

۱۸ : جھوٹ بولنا اور جیب کاٹنا بظاہر برابر ہیں ۲۶

۱۹ : تہذیب کے نام پر بدنما داغ ۲۷

Marfat.com

۲۰	دلوں میں بیماری ہے	۲۹
۲۱	مہلک نظریاتی حملوں سے دین پر حملہ	۳۰
۲۲	سائنس کا انحصار عقل پر	۳۲
۲۳	سائنس خدا کے وجود کی نفی نہیں کرتی	۳۳
۲۴	سائنس بے بسی کے چوراہے پر	۳۴
۲۵	پروفیسر فلپ ہٹی کی بدمعاشی	۳۷
۲۶	پروفیسر تعصب سے اندھا ہے	۳۹
۲۷	قرآن اللہ کی کتاب ہونے کا ثبوت	۴۰
۲۸	قرآن پروفیسر کی حیرت کا موجب	۴۰
۲۹	رسالت کے سچ ہونے کا ثبوت	۴۱
۳۰	یہ آج کہاں گم ہو گئے	۴۲
۳۱	ڈاروِن کا نظریہ ارتقاء	۴۴
۳۲	مغربی تہذیب پر ڈاروِن کا گہرا اثر	۴۵
۳۳	ڈاروِن کہاں غلط ہے	۴۶
۳۴	عمل ارتقاء سے دین ثابت ہے	۴۸
۳۵	کارل مارکس کا نظریہ	۴۹
۳۶	سوشلزم میں استحصال کی حقیقت	۵۰
۳۷	ڈاکٹر فرائی کی اسلام دشمنی	۵۱
۳۸	دینی بھائیوں کا دل دکھانا مقصد نہیں	۵۲
۳۹	انسان کے نفسیاتی تقاضے	۵۳
۴۰	انسان کی تہذیب کے نام پر خود فریبی	۵۵
۴۱	دین میں صحیح مسلمان کا تصور	۵۷
۴۲	ہمارے دینی اختلافات	۶۰
۴۳	اللہ کے معاملات انسانی بس سے باہر ہیں	۶۱
۴۴	اللہ کا برگزیدہ بندہ جھوٹ نہیں بول سکتا	۶۲

Marfat.com

۴۵	اللہ کی نشانیوں پر ایمان لانا لازم ہے	۶۴
۴۶	محفلِ میلاد النبی بیانِ نعمت ہے	۶۶
۴۷	رب کی نعمتوں کو بیان کرنے کا حکم الٰہی	۶۷
۴۸	مولانا اصلاحی اور بیان نعمت	۶۹
۴۹	نعمت کے بیان میں کمی نہ ہو	۷۰
۵۰	رسولؐ پر ایمان لانے کی شدت کیسی ہو	۷۲
۵۱	حضورؐ نور کیسے ہیں	۷۳
۵۲	قبلہ کا تعین حضور کی خواہش کے تابع	۷۶
۵۳	اللہ کے نزدیک زندہ کون ہے	۷۷
۵۴	زندہ کو مردہ کہنے والوں کو اللہ کی تنبیہہ	۸۰
۵۵	زمین۔سورج۔چاند۔پہاڑ سب زندہ ہیں	۸۱
۵۶	صرف کافر مردہ ہوتے ہیں	۸۳
۵۷	رسولؐ سے ظلم کی بخشش کے لئے دعا منگوانا لازم ہے	۸۷
۵۸	عقیدتمند شاہ ولی اللہ کی آنکھوں سے دیکھیں	۹۱
۵۹	حاظر و ناظر کا مسئلہ	۹۲
۶۰	مردوں کو ہدایت دینے کے لئے پکارنا کفر نہیں	۹۲
۶۱	زندہ کرنے والا خود کبھی مردہ نہیں ہو سکتا	۹۴
۶۲	رحمتہ اللعالمین سے زندہ ہونے کا ثبوت	۹۴
۶۳	میثاق سے زندہ ہونے کا روشن ثبوت	۹۵
۶۴	شیعہ سُنی بھی دینی بھائی ہیں	۹۷

قارئین حضرات کی خدمت میں گذارش

(۱) اس کتاب کو دین کی خدمت کی سعی میں مسلمان بھائیوں میں مفت تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے۔

(۲) جو بھائی اس کتاب کو پڑھ کر اس کی افادیت محسوس کریں وہ اپنے دینی و اخلاقی تقاضے کے تحت اپنے ملنے والوں کو بھی اسے پڑھنے کی ترغیب دیں۔

(۳) جو بھائی دین کی اس خدمت کو آگے بڑھانے کے لیے تعاون فرمانا چاہیں ان کا خیر مقدم کیا جائیگا۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے حصہ کی کتاب کی جلدیں خود اپنے حلقہ میں مفت تقسیم کریں۔ ناشران پابند ہوں گے کہ وہ کتاب کی جلدیں صرف قیمت تیاری پر فراہم کریں اور کسی قسم کا کوئی منافع حاصل نہ کریں۔

(۴) اگر کوئی دینی بھائی کتاب کی کوالٹی برقرار رکھتے ہوئے اسے نسبتاً کم لاگت پر کسی دوسرے پریس سے تیار کروانا چاہے تو اس کی تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ایسا کرنے سے کتاب کے مسودہ میں قطعاً کوئی تبدیلی واقع نہ ہو اور کتاب مفت تقسیم کی جائے۔

(۵) اگر کوئی بھائی اس کتاب کا انگریزی، فارسی یا عربی میں مستند ترجمہ کروا کر اسے شائع کروانا چاہیں تو ان کی تجویز پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

(۶) ہم سب دینی بھائیوں کا فرض ہے کہ ہم مل جل کر اپنے پیارے دین کی صحیح خدمت خلوص دل سے کریں۔

ڈاکٹر ارشد اللہ (ہومیو)
۱۰۔ حسین شاہ سٹریٹ،
پارک لین۔ ٹمپل روڈ لاہور
فون ۶۷۸۳۸

Marfat.com

پیش لفظ

۷۸۶
۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میرے محترم کرم فرما جناب ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب جنہیں اللہ تعالےٰ نے سینے میں دھڑکتا ہوا دل عطا فرمایا ہے جو ہر وقت تبلیغی و اصلاحی امور کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی قلبی واردات کو قلم و قرطاس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے!
پر نہیں رکھتی طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

آپ نے اپنی تازہ تصنیف "دین کے آئینے میں" چند مختلف فیہ مسائل کو ایسی سادگی کے ساتھ حل فرمایا ہے جس سے تائید غیبی کا پتہ چلتا ہے۔ اس مادی دور میں پراگندہ خیالات رکھنے والے افراد کو نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے دعوت فکر دی ہے ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش موجودہ دور کے لیے مینار ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے

میں ڈاکٹر صاحب کو اس بروقت نئی کوشش پر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے نئی نسل میں دینی شعور پیدا کرنے کی نیک کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راقم الحروف
بندہ عاصیم الٰہی بخش خادم العلماء
فاضل اسلامیات
خطیب جامع مسجد محمدیہ۔ نیو عالمگیر مارکیٹ
شاہ عالمی دروازہ لاہور

Marfat.com

نور ہدایت

"اے ایمان والو۔ اللہ کا کہا مانو اور اس کے رسول کا۔ اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو۔ اور تم سن لیتے ہی ہو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں۔ گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے اور اللہ ان میں کوئی خوبی دیکھتا۔ تو ان کو سننے کی توفیق دیتا۔"

(سورہ انفعال آیات نمبر ۲۰ تا ۲۳)

Marfat.com

ماہرین کی رائے میں کتاب

قارئین حضرات کو کتاب کے آسانی سے سمجھنے اور اس کے متعلق شک و شبہات سے بالا ایک واضح پختہ رائے قائم کرنے میں معاونت کی غرض کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ اس کتاب میں جن جن علوم پر روشنی ڈالنے کی خاطر بحث اٹھائی گئی ہے۔ ان علوم کے ماہرین میں سے جن حضرات تک اندریں حالات رسائی ممکن ہو۔ ان کا گراں قدر تبصرہ حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں معزز جج صاحبان نامور سائنسدان حضرات۔ ماہرین تعلیم اور میرے واجب الاحترام علمائے دین میں سے مندرجہ ذیل زعماء کی طرف برائے تبصرہ رجوع کیا گیا۔

جناب جسٹس حمود الرحمٰن صاحب سابق چیف جسٹس آف پاکستان۔ جناب جسٹس سجاد احمد جان صاحب چیف الیکشن کمشنر حکومت پاکستان۔ جناب جسٹس مشتاق حسین صاحب لاہور، ہائی کورٹ۔ جناب جسٹس شمیم حسین قادری صاحب لاہور ہائی کورٹ۔ جناب جسٹس اسلم ریاض حسین صاحب لاہور ہائی کورٹ۔ جناب علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جناب پروفیسر مولانا ابوبکر غزنوی صاحب وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی بہاولپور۔ جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لاہور۔ جناب مولانا ابو برکات قادری صاحب لاہور۔ جناب علامہ محمود احمد رضوی صاحب لاہور۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن کاندھلوی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ جناب پیر سید کرم شاہ صاحب بھیرہ شریف۔ جناب پروفیسر اے۔ کے۔ توفیق صاحب لاہور۔ جناب ڈاکٹر فرخ حسن شاہ صاحب لاہور۔ جناب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب لاہور۔ جناب ڈاکٹر فضل حسین صاحب لاہور اور جناب ڈاکٹر ایم۔ اے۔ شوکت صاحب لاہور۔

مصنف اپنے تمام واجب الاحترام بزرگوں اور دینی بھائیوں کا نہایت ممنون و مشکور ہے۔ جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ اور اپنے گراں قدر تبصرات سے راقم کو نوازا۔ جو کہ کتاب میں مناسب جگہ پر شامل کر دیئے گئے ہیں۔ امید واثق ہے۔ کہ باقی ماندہ ماہرین کے تبصرات بھی جلد یا بدیر

Marfat.com

نذر عطا ہو جائیں گے۔ اور انہیں بھی انشاء اللہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں شامل کر دیا جائیگا۔

کتاب کی تکمیل و اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہے۔ مصنف ان صاحبان کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہے۔ ان میں بشیر انجم۔ محمد عارف۔ انوار الحق۔ چودھری امین۔ محمد افضال قاضی محمد اسماعیل۔ شریف رانا۔ حامد سعید شاہ اور امجد اللہ افضل کے نام گرامی قابل ذکر ہیں۔

مصنف

ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب کی کتاب کا عنوان "دین کے آئینے میں" اس کی غرض و غایت اور مقصدیت کا کماحقہ ترجمان ہے۔ اس لئے کہ اس مختصر کتاب کے ذریعہ جو حقائق سے لبریز اور حق گوئی سے مرقم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمارے موجودہ معاشرہ کو ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ دکھایا ہے۔ جس میں وہ اپنی مسخ شدہ صورت اور بگڑے ہوئے خدوخال کا جائزہ لے کر انہیں پھر سے سنوارنے اور انہیں صحت مند بنانے کی سعی کر سکتا ہے۔

کتاب اختصار کے باوجود معنویت اور افادیت سے بھرپور ہے۔ جوں جوں میں اسے پڑھتا گیا۔ اس میں میرا انہماک بڑھتا گیا۔ ایک تجربہ کار معالج کی طرح ڈاکٹر صاحب نے قوم کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی موجودہ بیماری اور تمام عوارض کا نقشہ کھینچا ہے۔ فی الحقیقت اس وقت ہمارا سب سے سنگین قومی عارضہ بیگانہ اقدار کی یورش کے سامنے ہماری اپنی اقدار کی تسخیر اور ان سے بیگانگت ہے۔ ہمارا اخلاقی انحطاط۔ قول و فعل میں تضاد۔ مادہ پرستی۔ تصنع۔ جھوٹ۔ منافقت۔ مکر و فریب۔ یہ سب اسی عارضہ کا لازمی نتیجہ اور علامتیں ہیں۔ جو معاشرہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ اور جن کی ڈاکٹر صاحب نے بڑی عمدگی کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔ مرض یقیناً لاعلاج ہوتا جا رہا ہے۔ اور اگر ہم اس کے علاج سے تغافل برتتے رہے۔ جو ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ تو اس کے مہلک ثابت ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کا واحد اور مجرب علاج وہی ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب نے بڑی تشخیص اور کاوش سے تجویز فرمایا ہے۔ یہ کہ ہم پھر سے اپنی صفوں کو قرآن کی تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کے سہارے پر آراستہ کریں۔ ان میں یگانگت اور اتحاد پیدا کریں۔ ہم کسی مزید تشتت اور افتراق کے اب حامل نہیں ہو سکتے۔ واعتصمو بحبل اللہ جمیعا کے فرمان کی تعمیل ہی ہماری سلامتی اور فلاح کی ضامن بن سکتی ہے۔

خداوند تعالےٰ از کر دے حد نیت پر پختہ ایمان۔ عشق میں ڈوبے ہوئے جذبات کے

Marfat.com

ساتھ رسول مقبولؐ کی متابعت۔ اسلامی شعار کی ترویج اور فخر و مباہات کے ساتھ ان پر عمل۔ بس یہی ایک مجرب نسخہ ہے۔ جو ہماری اس مہلک بیماری کا مداوا کر سکتا ہے۔ افسوس یہ ہے۔ کہ مغرب کی مصنوعی مکر و فریب کی اقدار کی نقالی میں ہم اس درجہ بڑھ گئے ہیں۔ کہ سر سے اپنی صورت کو بگاڑ رہے ہیں۔ اس کے برعکس مصنوعی تمدن مادیت کے سمندر میں ڈوبنے کے باوجود اپنی عریانی کو سائنس کے کرشموں کی افادیت سے ڈھانپ رہا ہے۔ لیکن علامہ اقبال رحمتہ کی پیشگوئی اسے اپنی ویران منزل کے قریب بہت لا رہی ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے ہی ہاتھوں سے آپ خودکشی کرے گی۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا۔ ناپائیدار ہو گا۔

مجھے توقع ہے۔ کہ جس خلوص نیت سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ بار آور ہو گی۔ اور اس کتاب کو تمام حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ نوجوان نسل کے دلوں میں بالخصوص یہ دین اسلام کی صحیح پہچان پیدا کر کے ان کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا باعث بنے گی۔ میں ڈاکٹر صاحب کو ان کی اس بے لوث خدمت پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

جسٹس سجاد احمد جان

سابق جج سپریم کورٹ آف پاکستان

چیف الیکشن کمشنر، حکومت پاکستان

ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب نے ایک کتابچہ "دین کے آئینے میں" لکھا ہے۔ جس کے مندرجات اتحاد۔ نظم اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے مفید ہیں۔ فکری و نظریاتی اختلافات کی موجودہ پریشان دنیا میں یہ کتاب ایک کھوئے ہوئے پریشان دل کی راہنمائی کر سکتی ہے۔ درحقیقت موجودہ دور کے مذہبی مسائل پر واضح اور تعمیری انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ میری دعا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اس کاوش میں کامیاب ہوں۔ اور توقع کرتا ہوں کہ جس مقصد کے مدنظر یہ کتاب لکھی گئی ہے اس کے حصول کے لئے اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو گی۔

جسٹس شمیم حسین قادری (ہائی کورٹ۔ پنجاب)

جناب ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب کی کتاب "دین کے آئینے میں" پیش نظر ہے۔ یہ ایک قابل قدر کوشش ہے۔ جو انہوں نے مسلمانوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے سلسلے میں فرمائی ہے۔ ان کا مخاطب خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ جو موجودہ دور کے سائنسی اور

Marfat.com

معاشی نظریات سے بھی متاثر ہے۔ دین اسلام ایک عالمگیر ضابطۂ حیات ہے ۔ اور رشد و ہدایت کا ابدی سرچشمہ ہے۔ اس کے برعکس سائنس کا تعلق ہمارے گرد وپیش کی اشیاء۔ ان کی ماہیت اور خصوصیات سے ہے۔ سائنس میں مشاہدات سے اخذ کردہ نتائج پر مبنی نظریات پیش کیئے جاتے ہیں۔ جو کہ معلوم حقائق کی کسی حد تک توجیح کر سکتے ہیں۔ موصوف نے ان نکات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور مثالوں سے سائنس کی کم مائیگی۔ جزوی کامیابی اور خامیوں کی خاص طور پر وضاحت کی ہے۔ اس لیئے سائنس کو دین اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات کے مقابلہ میں نہیں لایا جاسکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے ذریعے ان مسلمانوں کو دعوتِ فکر دی ہے۔ جو دین کو اپنا کر بھی دنیاوی برائیوں اور بدعتوں کے ساتھ مصالحت کر لیتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں اور خاص طور پر نوجوانوں سے دردمندانہ اپیل کی ہے۔ کہ وہ فروعات کے جھگڑوں کو ختم کر کے دین اسلام پر پختہ ایمان رکھیں۔ اور اس کی تعلیمات پر پورے اعتماد کے ساتھ عمل کریں۔ کیونکہ اسی میں نبی نوع انسان کی بھلائی ہے۔

میری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ڈاکٹر صاحب کی کوشش کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ اور ہمارے دینی بھائیوں کو دینِ اسلام کو پورے یقین کے ساتھ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

خیر اندیش

ڈاکٹر ایم۔ اے۔ شوکت

ایم۔ ایس۔ سی (پنجاب) پی۔ ایچ ڈی۔ (لندن)

پروفیسر آف فزکس پنجاب یونیورسٹی۔ نیوکیمپس لاہور

یہ امر میرے لیئے باعث فخر ہے۔ کہ میرے محترم ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب نے اس ناچیز کو اپنی کتاب "دین کے آئینے میں" پر بحیثیت میڈیکل سائنسدان تبصرہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں نہ تو کوئی دینی راہنما ہوں۔ اور نہ ہی کوئی مفکر کہ آپ کی کتاب پر کسی ماہرانہ انداز میں تبصرہ کر سکوں لہذا میں صرف ایک سچے مسلمان کے طور پر (اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے) اس پر کچھ حروف پیش کرنے کی جرآت کر رہا ہوں۔

مجھے بہت عرصہ سے یہ خیال تھا۔ اور خاص کر جب سے میں ہجرت کر کے پاکستان آیا کہ ہم لوگ اور خاص طور پر سے جوان فکر اپنے مذہب سے دور ہٹ رہے ہیں۔ اور پاکستان کے حصول و وجود کے اصلی معنوں سے بالکل بے بہرہ و بے نیاز ہیں۔ ہماری اب تک تاریخ

Marfat.com

تو صرف یہی رہی ہے کہ فتنہ فساد کر کے ہمیشہ آپس میں لڑتے رہیں۔ اپنے پیارے دین کو سرے سے بھول جائیں۔ اور اسلامی بھائی چارہ نام کو بھی باقی نہ رہنے دیں۔ اور یہی صورت حال اب بھی موجود ہے۔ بلکہ پروان چڑھ رہی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا شیوہ یہ ہے۔ کہ اسلام کو اپنی مرضی و خواہش کے مطابق بدل لیں۔ حالانکہ اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب ہے۔ جو ہر طرح سے مکمل ہے۔ یہ تو درحقیقت دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اللہ تعالےٰ کی نوازشوں کی بدولت اس دنیا میں آیا چاہے کوئی کچھ کرے۔ ان کے وجود اور دین اسلام کو جس کی آنحضرت تلقین کرتے ہیں۔ کوئی بھی نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ یہ تو ان لوگوں کی عین بدقسمتی ہے کہ جس طرز زندگی کو اسلام واضح طور پر سکھاتا ہے اس کو چھوڑ کر بعض لوگ اس میں اپنی ٹانگ اڑانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔

اندریں حالات کتاب "دین کے آئینے میں" وقت کی سخت ضرورت تھی۔ وقت کی شدید پکار تھی۔ لہٰذا میرے نزدیک آپ کا یہ کام قابل تحسین و ستائش ہے۔ کہ آپ نے صاف طور پر اس وقت جبکہ اسلام خطرے میں ہے۔ (یہ تو لوگوں کی خوش فہمی ہے) اپنی کتاب میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے مجھے ڈاکٹر صاحب کے تجزیہ سے سو فیصد اتفاق ہے۔ البتہ ایک لحاظ سے ان سے متفق نہیں ہوں۔ وہ یہ کہ کتاب کے طرز بیان میں ضروری سختی نہیں ہے۔ کیونکہ دور حاضر میں اگر کوئی بات نرم زبانی اور محبت سے کہی جائے تو وہ عام طور پر ہماری سمجھ میں نہیں آتی مگر پھر آپ کو جانتے ہوئے میں کسی طرح یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ زبان کی سختی اور تلخی کو بروئے کار لا سکیں گے۔ بہرحال آپ کی کتاب سمجھنے والے کیلئے ایک خزانہ ہے اور ہمارے دینی راہنماؤں کیلئے ایک چیلنج ہے۔ خداوند ا انہیں اور ہماری جوان نسل کو اس سے پورا پورا استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

میری دلی دعا ہے۔ کہ اس کام جس کی کہ بسم اللہ آپ نے کی ہے۔ اور حضرات کو بھی اس ہراول کے پیچھے اپنا قافلہ ملا کر اس کار خیر میں اسی طرح کام کریں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جس کو حضور رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی راہنمائی کے لئے بتایا۔ اس طرح مسلمان دنیا کو بتا دیں گے۔ کہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے۔ اور اس میں جمع و تفریق کی کسی انداز میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی بھائی چارہ اس دنیا کو ضرور مصیبتوں سے

Marfat.com

نکالے گا۔ بشرطیکہ ہم آپس کے لڑائی جھگڑے چھوڑ دیں۔

پروفیسر اے۔ کے۔ توفیق

ایم۔ بی۔ بی۔ سی۔ ایچ (ویلز) ایل۔ آر۔ سی۔ پی (لندن) ایم۔ آر۔ سی

ایس (انگلینڈ)۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس (ایڈن) سابق پروفیسر و مہتمم

شعبہ جراحی۔ فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور اور سابق میڈیکل سپرنٹنڈنٹ

سر گنگا رام ہسپتال۔ لاہور۔

مکرمی ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب کی تصنیف "دین کے آئینے میں" میری نظر سے گزری ہے موصوف ڈاکٹر صاحب نے بڑے پیارے پیرائے میں اسلامی فرقوں میں فکری دعوت پر زور دیا ہے۔ اور بڑے لطیف انداز میں واضح کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو دشمنان اسلام کی یلغار کے خلاف متحد ہو جانا چاہیئے۔ مصنف نے مشہور دشمنان اسلام پروفیسر فلپ ہٹی اور ڈاکٹر فرائی کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔ موجودہ مادی نظریات (ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور کارل مارکس کا فلسفہ اشتراکیت)، جو کہ ہمارے نوجوان طبقہ میں بہت مقبول ہیں۔ کو مصنف نے مذہبی نقطہ نگاہ کے علاوہ سائنسی زاویہ نگاہ سے بھی پرکھا ہے۔ اور ان نظریات کی خامیوں کی بڑے عالمانہ طریق سے نشان دہی کی ہے۔ پورے ایک سو برس کی تحقیق و تجربے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ کہ ڈارون کا نظریہ بھی یہ مندرجہ ذیل چار نقاط کا تسلی بخش حل پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۱) زندگی کے عمل ارتقاء کا تاریخی ثبوت موجود نہیں۔

(۲) پودوں اور حیوانوں کے بڑے گروہوں میں عمل ارتقاء کے سلسلہ میں بے شمار عبوری صورتیں (FORMS) کی غیر موجودگی کسی طرح بھی واجب قرار نہیں دی جا سکتی۔

(۳) عمل ارتقاء کے داعی کے پاس تبدیلی کے لئے کوئی خاطر خواہ طریق کار یا ترتیب موجود نہیں۔ یہ ثابت بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ عام تغیر و تبدل (MUTATION) سے نئے اعضاء اور نہایت پیچیدہ قسم کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔

(۴) عمل ارتقاء کے داعی کوئی ایسا تسلی بخش طریق نہیں پیش کر سکے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اس عمل کے ذریعہ پہلا خلیہ (Cell) کیسے معرض وجود میں آیا۔

یہ یقینی امر ہے کہ آنکھ جیسے پیچیدہ عضو میں کوئی بڑا تغیر و تبدل پیدا ہو جائے۔ تو اس

Marfat.com

عضو کی افادیت ہی ختم ہو جائے گی۔ اگر آنکھ کی پیمائش۔ جسامت یا ساخت میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے۔ تو وہ بالکل بیکار ہو جائے گی۔ یہ بات کہ آنکھ جیسے نازک اور پیچیدہ عضو میں عمل ارتقاء کے ذریعے یک لخت تبدیلیاں پیدا ہو جانے سے اس کی افادیت میں اچانک ترقی ہو جائے گی۔ موجودہ سائنسی تحقیقات کی رو سے محض قیاس آرائی ہونے کے علاوہ ناممکن ہے۔ چند ایک کیمیاوی مرکبات کا عمل ارتقاء کے ذریعہ نو سو کھرب خلیات پر مشتمل نہایت پیچیدہ انسان (جس میں آنکھ۔ ناک۔ کان۔ دانت۔ دماغ۔ ہاضمہ کا نظام خون کا تمام نظام موجود ہیں) میں تبدیلی ہو جانا جسے زمین پر ہر جانور اور پودے سے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ محض قیاس آرائی ہی نہیں بلکہ خام خیالی بھی ہے۔ شماریات (STATISTICS) کی رو سے کروڑ ہا کروڑوں میں سے ایک دفعہ بھی ایسا ہونا ممکن نہیں۔

کیلیفورنیا (امریکہ) کے تعلیمی بورڈ نے ۱۹۶۹ء میں سفارش کی۔ کہ آغاز زندگی کے متعلق "تخلیق کا نظریہ" نصاب میں شامل کیا جائے۔ پس مادہ پرست مغربی دنیا بھی ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے مطمئن اور متفق نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت سے مصنف کی سرشاری قابل تعریف ہونے کے علاوہ قابل تقلید بھی ہے۔ میں مصنف کے جذبہ ایمانی سے بے حد متاثر ہوا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی مخلصانہ کوشش کا اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔ اور ان کے دینی اور دنیاوی درجات بلند ہوں، آمین ثم آمین۔ موجودہ حالات میں وطنِ عزیز کی وحدت اور بقا کیلئے مسلمانوں میں صحیح جذبہ ایمان پیدا کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ امید ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ثابت ہو گی۔ اور ہمیں مصنف کے تخلیق علم سے مستفید ہونے کے مزید مواقع نصیب ہوں گے۔

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت محترمی و مکرمی علامہ الٰہی بخش صاحب کا تحریر کردہ "پیش لفظ" ہے۔ حضرت مولانا صاحب اس مادی دور میں اپنے علم و عمل سے دین اسلام کی عظیم خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی دین کی سربلندی اور سرکار دو عالم آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ مولانا صاحب نے جن الفاظ میں "دین کے آئینے میں" کا تعارف کروایا ہے۔ وہ مزید کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ مولانا صاحب جیسے عظیم محققِ دین کا اس کتاب کو ان الفاظ میں نوازنا ہی کتاب کی اہمیت کو واضح کر

Marfat.com

دیتا ہے۔

احقر
ڈاکٹر عبدالسلام۔
ایم۔ایس۔سی۔(پنجاب)۔ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومانوڈٹیکنالوجی
(یونیورسٹی آف نیو ساؤتھ ویلز۔ آسٹریلیا) پی۔ایچ۔ڈی۔فوڈٹیکنالوجی
(یونیورسٹی آف نیو ساؤتھ ویلز۔ آسٹریلیا) سینیئر ریسرچ آفیسر و
بایولاجیکل ایویلوایشن اینڈ فرمنٹیشن ڈویژن۔ پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر لاہور

کفر اور ملحدیت کے اس دور میں ہر وہ کوشش جس سے مخلوق کا خالق سے تعلق پیدا ہو۔ قابل ستائش ہے۔ ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب کی تصنیف "دین کے آئینے میں" بھی ان چند کاوشوں میں سے ایک ہے۔ جسے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے عام فہم طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

مصنف نے نہایت خلوص سے مسلمانوں کی دینی یکجہتی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ دشمنان اسلام کی تحریرات کا کھوکھلا پن عیاں کرنے کی کوشش کے علاوہ موجودہ مادی نظریات جو بظاہر بہت پرکشش اور جاندار نظر آتے ہیں۔ کو رد کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان سوالات کا جواب بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ نئی نسل کے ذہن میں پیدا ہو رہے ہیں۔ کتاب کو اس طریق سے پیش کیا گیا ہے۔ کہ مذہب سے بیزار نوجوان جو کہ راہِ حق سے بے بہرہ ہوتے ہونے جا رہے ہیں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ سے کم نہیں۔ مختلف مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

یہ کتاب لکھ کر مصنف نے ایسے موضوعات پر کتابوں کی اہمیت وافادیت کا مزید احساس دلایا ہے۔ اور موجودہ زمانے میں اس تصنیف جیسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔

بہر حال یہ کتاب ایک صدقۂ جاریہ ہے۔ اور یہ کوشش قابل تحسین ہے امید ہے۔ یہ کتاب نہ صرف مصنف کی مزید تحقیقات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ بلکہ کئی اور پروانے بھی عشق رسول ؐ کی متعین کی ہوئی راہوں پر نکل کر دشمنان اسلام کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

ڈاکٹر فرخ حسن شاہ
ایم۔ایس۔سی۔(پنجاب)۔پی۔ایچ۔ڈی (لندن)۔
سربراہ شعبہ بائیولوجیکل ایویلوایشن اینڈ فرمنٹیشن۔
پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر۔ لاہور۔

Marfat.com

آج دنیائے اسلام میں جو حالات رونما ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اپنی شاندار تاریخ کو یکسر بھلا دیا ہے۔ اسلام کا نام لیتے ہیں۔ مگر اسلام کے فروغ اور غلبے کے لئے خاطر خواہ اقدامات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسلامی اقدار اور دینی اخلاق سے مسلسل انحراف جاری ہے۔ آپس کے اختلافات اور باہمی افتراق نے مزید مسلمانوں کی ساکھ کو اور ان کی ہوا کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ حالات کا شدید تقاضا ہے۔ کہ دنیائے اسلام میں بالعموم اور حکومت خداداد پاکستان میں بالخصوص پورے زور اور قوت سے اس سلسلہ میں بھرپور تحریک چلائی جائے۔ کہ مسلمان عملی طور پر اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور اپنی زندگیوں کو اسلام کے نور اور اس کی ہدایت سے معمور اور پرنور بنائیں۔ نیز تمام اختلافات اور انتشار کو دور کر کے اتحاد اور اتفاق کی فضا پیدا کریں۔

اس سلسلے میں محترم ڈاکٹر ارشد اللہ (رحومیں) صد تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی ایمانی بصیرت اور ایقانی فراست سے نہایت اخلاص اور پاکیزہ جذبہ کے پیش نظر ایک قابل قدر کوشش فرمائی ہے۔ آپ کی پہلی سعی سعید ایک کتابچہ "دین کے آئینے میں" کے نام سے میرے سامنے ہے۔ جس میں ضروری اور اہم پہلوؤں کو نہایت سنجیدگی، متانت اور مدلل نیز پر خلوص جذبات کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر علمائے دین کے بارے میں سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جبکہ علمائے دین کی زرین خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آج اگر عوام مسلمین کسی قدر دین سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ وہ علمائے دین ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اسلام کی آواز۔ اسلام کی تعلیم۔ قرآن کی تدریس اور شعائر اسلام کی عظمت انہیں کے دم قدم سے ہے۔ یہ مساجد۔ یہ محراب و منبر یہ مدارس ہی اس وقت واحد ذریعہ ہیں۔ جہاں سے عوام مسلمین اسلام سے کسی قدر فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسلام۔ قرآن خدا اور رسول کے پیغامات کی تبلیغ کا کام کسی نہ کسی قدر انہیں مراکز سے ہو رہا ہے۔ یہ نہ ہوں۔ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے دیگر تعلیمی ادارے۔ اسکول۔ کالج۔ یونیورسٹیاں اور دیگر نشر و اشاعت کے سنٹر کیا کام کر رہے ہیں۔ اور وہ عوام اور معاشرہ کو کس نہج پر لے جانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں میرے نزدیک علماء دین کی مجبوریوں اور وسائل کے فقدان کے ہوتے ہوئے حرف ان کو موردِ الزام قرار دینا ناانصافی ہے۔ دراصل اصلاحِ قوم اور پاکیزہ معاشرہ بنانے میں تین گروہ بڑی حد تک ذمہ دار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اولاً علمائے دین۔ دوم اغنیاء۔ سوم امراء یہ تین فریق اگر اسلام کی طرف سے مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دیں۔ تو بہت جلد خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ کتابچہ مجموعی طور پر نہایت مفید اور مسلمانوں کے لئے نظر و فکر کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی اشاعت اور ترویج وقت کی اہم ضرورت اور دین کی زرین خدمت ہے۔ مولیٰ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل اس کتابچہ کو قبول فرمائے۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس کا اجر جزیل عطا فرما کر آپ کو دین و دنیا میں کامیابی مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

المفتی محمد حسین نعیمی

ناظم دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور۔

ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب نے "دین کے آئینے میں" لکھ کر ایک بہت بڑی قومی اور دینی خدمت سرانجام دی ہے گو کہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور ہر وقت تحریر تقریر میں اور قومی ذرائع ابلاغ عامہ پر اسلام کا ذکر رہتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے درست طور پر محسوس کیا کہ ہماری موجودہ پود کا ایک بہت بڑا حصہ گو کہ نام کا مسلمان ہے یا اسلام پر یقین رکھتا ہے۔ مگر اس کے دل میں بہت سے شکوک ہیں چونکہ یہ طبقہ سائنس اور مغربی تعلیم سے بہت متاثر ہے اس لئے دین کی بہت سی باتوں کو ذہنی طور پر تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس سائنسی تعلیم کے منافی ہوتی ہیں۔ اور ان کے ادراک کو نہیں بھاتیں ڈاکٹر صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے اور اس کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے علمائے دین کو نہ صرف دینی امور پر عبور حاصل ہو بلکہ ان کو نفسیات۔ سائنس۔ مادہ پرستی۔ سوشلزم اور مغربی علوم و افکار پر بھی دسترس حاصل ہو تاکہ وہ اپنے سامعین کے مختلف طبقوں، ان کے ذہنی معیار کے حقائق کو سمجھ سکیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایسے بہت سے مسائل کا جو عام طور پر نوجوانوں اور پڑھے لکھے طبقہ کو پریشان کئے ہوئے ہیں خاطر خواہ جواب دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس امر کی طرف بھی بر وقت توجہ دلائی ہے۔ کہ ہمارے نوجوانوں کی دین سے بددلی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے

کہ ہمارے علمائے دین کا فروعی امور پر ایک دوسرے سے شدید اختلافات ہیں اور مختلف طبقات کے زعما ایک دوسرے سے دست دگر یباں ہیں یہ تفرقہ ہمارے لئے زہر ہلاہل ہے۔ اور اس کا دور کرنا ہمارے اولین فرائض میں سے ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تمام زندگی خدمت خلق میں گزری ہے۔ ان کی زندگی سراپا ایثار ہے۔ انہوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر کے اپنا وقت اور اپنے تمام تر مالی وسائل دین کی خدمت کے لیئے وقف کر دیئے ہیں۔ اور یہ کتاب جو انہوں نے خود اپنے خرچ پر طبع کروائی ہے اور جس کو وہ مسلمان بھائیوں میں مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں لکھ کر واقعی ایک عظیم مثال قائم کی ہے۔ جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کامیاب فرمائے۔ اور ان کے نظریات زیادہ سے زیادہ فروغ پائیں۔ تاکہ موجودہ اور آنے والی نسلیں مستفید ہو سکیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین
ہائیکورٹ - پنجاب

جناب ڈاکٹر ارشد اللہ صاحب کا کتابچہ "دین کے آئینے میں" جذبہ اخلاص و اصلاح کے تحت لکھا اور چھاپا گیا ہے۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے۔ کہ مصنف اور ناشرین نے اس کا ہدیہ محض دعائے خیر رکھا ہے۔ اور اس کے بلاقیمت پھیلانے کا اہتمام کیا ہے۔ مادیت کے اس دور میں ایسی بلامزد دینی خدمت قابل تحسین ہے۔

مؤلف نے دلنشیں پیرائے میں ایسا مواد سپرد قلم کر دیا ہے۔ جو علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیئے یکساں طور پر عبرت اور افادیت کا موجب بن سکے گا۔ اور انہیں انشاء اللہ اس پر آمادہ کر سکے گا۔ کہ وہ جزوی اختلافات سے صرف نظر کر کے اعدائے اسلام کے بالمقابل اتحاد و یک جہتی اختیار کریں۔ البتہ اس کتاب کے آخری حصہ میں بعض وہی فروعی مسائل چھیڑ دیئے گئے ہیں۔ جو ہمارے مذہبی حلقوں میں مناظرانہ طبع آزمائی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اور جنہیں عوام الناس کے ذہنوں میں تازہ کرنے کے بجائے ان سے توجہات کا ہٹانا بہتر ہے۔

Marfat.com

اس کتاب میں آیات قرآنی اور اردو عبارتوں میں اغلاط بھی موجود ہیں. مثلاً صفحہ ۸ پر سورۂ انفال کو انفعال لکھا گیا ہے۔ اور یہ غلطی آگے بھی بار بار دہرائی گئی ہے. بہر حال بحیثیت مجموعی یہ کاوش قابل قدر ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے مفید اور نتیجہ خیز ثابت کرے.

خاکسار

ابوالاعلیٰ مودودی۔

میں نے جناب ڈاکٹر ارشد اللہ رہومیو) صاحب کی کتاب "دین کے آئینے میں" کو خاصی دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اور اسے انتہائی اُجالا کرنے والی پایا ہے انہوں نے بڑے واضح انداز میں ہمارے بگڑتے ہوئے معاشی حالات کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس عارضہ کی نشاندہی کی ہے جو گھن کی مانند اُسے کھا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جس سادہ لیکن مؤثر انداز میں ان سوالات پر بحث کی ہے جو سائنس اور مذہب، سوشلزم اور اسلام، اور جدید رجحانات کے مدمقابل اسلامی اقدار کے متعلق ہیں اور جو کہ خصوصی طور پر ہمارے جوان ذہنوں کو آج کل اپنے طلسم سے مغلوب کر لیتے ہیں۔ اس سے ان جھوٹی اقدار کو چھوڑنے میں مدد ملے گی۔

اس لئے میں نوجوان نسل کو اس کتاب کے پڑھنے کی ترغیب دینا پسند کروں گا۔ اور مصنف کو اس کی مبارک باد دوں گا۔ کہ انہوں نے اس مرض کی صحیح تشخیص کی ہے جو کہ ہمارے معاشرہ پر اثر انداز ہو رہی ہے اور اس کا صحیح علاج بھی تجویز کر دیا ہے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی کوشش کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔

جسٹس حمود الرحمٰن

سابق چیف جسٹس آف پاکستان

چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان

Marfat.com

ارشاد ربانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (سورہ روم - آیات نمبر ۵۲ و ۵۳)

ترجمہ:- بے شک تو مُردوں کو نہیں سناتا۔ اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سُنا سکتا ہے۔ جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ جاتے ہیں۔ اور نہ ہی تو اندھوں کو اُنکی گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے۔ تُو تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتا ہے۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہیں بھی وہ اطاعت گزار۔

تشریح:- ان مندرجہ بالا آیات مبارکہ کی رُو سے صرف وہی مسلمان قرآن مجید کی آیات سُن سکتے ہیں۔ یعنی سمجھ سکتے ہیں۔ جو ایمان لانے کے بعد اپنی زندگی میں عملاً اطاعت بھی کرتے ہیں اور جو لوگ قرآن پاک کی آیات کی اطاعت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تو وہ

Marfat.com

اپنی نافرمانی کی وجہ سے سن نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ تمام لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مطابق بظاہر کان رکھتے ہوئے بھی بہرے ہیں۔ اور آنکھیں ہوتے ہوئے بھی وہ اندھے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اللہ پاک مُردوں کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ جو کہ سن نہیں سکتے۔ لہذا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو شدّت سے جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ کہ ہم سب فرداً فرداً اپنا محاسبہ کریں۔ اور قرآن مجید کی آیات کو صحیح طور پر سمجھنے کی صدق دلی سے کوشش کریں۔ اور اپنے اعمال کی مناسب اصلاح کرکے اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالیں۔

سورہ الطلاق میں ارشادِ ربانی ہے۔ "کہ (مسلمانو) تم اللہ سے اتنا ڈرو جتنا کہ ڈر سکتے ہو۔ اور (اس کی آیات کو غور سے) سنو۔ اور (ان کی) فرمانبرداری (یعنی اطاعت) کرو"۔ لہذا مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ اور کیا تنبیہہ ہو سکتی ہے۔ ہوش مندوں کے لئے تو یہ لرز جانے کا مقام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف پورے خلوص۔ عاجزی اور انکساری کے ساتھ رجوع کرنے کا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ثنا اور دعا

اے اللہ تمام تعریفیں تیری ذات بابرکات کے لیے ہیں۔ تو عالی شان ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے تیری تسبیح کرتی ہے۔ تو علیم ہے۔ بصیر ہے۔ حکیم ہے۔ تو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ غیب کا علم جاننے والا ہے۔ تو نہایت ہی رحم کرنے والا مہربان ہے۔ تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک و بے نیاز ہے۔ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ تیرا ہی سہارا اور مدد چاہتا ہوں۔ اے اللہ تو میری زندگی کے ہر لمحہ اور ہر مرحلہ پر میری رہنمائی فرما۔ اور مجھے اپنے فضل و کرم سے سیدھی راہ پر چلنے کی اس طرح توفیق عطا فرما کہ میرا شمار تو اپنے بندوں میں کرے جن پر کہ تو اپنا انعام کرتا ہے۔ اے اللہ میں تو تیرا نہایت ہی عاجز و مسکین بندہ ہوں۔ تو میری اس عاجزانہ دعا کو شرف قبولیت بخش اور اس کتابچہ کی صورت میں میں جو اپنے دین کی خدمت کی کوشش کر رہا ہوں اسے قبول فرما اور اس کتابچہ کے بیان کرنے میں مجھ ناچیز سے اگر کوئی غلطی سرزد ہونے لگے تو تو مجھے اس سے بچا اور معاف فرما۔ کیونکہ میں صدق دل سے تیرے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ اس کتاب کے لکھنے سے میری نیت و مقصد سوائے اس کے اور قطعاً کچھ نہیں کہ اپنے پیارے اور سچے دین کی اپنی حقیر بساط کے مطابق کچھ خدمت کر سکوں اور اس طرح تیری خوشنودی کی سعادت حاصل کر لوں ورنہ میں محدود ہوں میری عقل محدود ہے اور میری بصیرت بھی۔ تو میری کمزوریوں اور مجبوریوں کو مجھ سے کہیں بہتر طور پر جانتا ہے کیونکہ تو ہی میرا خالق ہے۔ میرا مالک ہے اور میرا پاک پروردگار ہے اور جس وقت تیرا

Marfat.com

بندہ تجھے پکارتا ہے تو تو اس کی پکار کو سنتا ہے اور جواب بھی عنایت فرماتا ہے۔

کتاب لکھنے کا مقصد اس کتاب کو لکھنے کا مقصد دین کی خدمت کے لیے سعی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کا مقصد ہرگز سیاسی نہیں ہے اور نہ ہی راقم کے کوئی دنیاوی اغراض و مقاصد اس سے وابستہ ہیں اور نہ ہی اپنے مسلمان بھائیوں کے کسی طبقہ کی دلآزاری مقصود ہے۔ راقم کے لیے سب مسلمان واجب الاحترام ہیں اور اس کے دینی بھائی ہیں اور وہ ایک ادنیٰ اور حقیر کوشش کر رہا ہے کہ مسلمان صدق دلی سے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اپنی صفوں میں مکمل اتحاد و یگانگت پیدا کریں کیونکہ یہی وقت کی پکار ہے اور عین دینی تقاضا ہے۔

راقم یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کروانا چاہتا ہے کہ ہر معاملہ کا صحیح و مکمل علم تو اللہ جل شانہٗ ہی کو ہے۔ راقم کا علم و بصیرت محدود ہونے کے باعث اس سے کسی معاملہ کو صحیح طور پر سمجھنے میں غلطی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اس واسطے یہ عین ممکن ہے کہ آپ کسی معاملہ میں راقم سے پوری طرح ہم خیال نہ ہو سکیں اور اگر راقم کی کوئی بات آپ کی طبع پر ناگوار گذرے تو آپ نہایت فراخدلی سے اسے معاف فرما دیں کیونکہ اول تو یہ سارا معاملہ دینی عقائد و جذبات کا ہے جو بذاتِ خود نہایت نازک اور حساس ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ کتابچہ لکھنے کا مقصد آپ کے دل میں تنگی یا نفرت پیدا کرنا نہیں بلکہ آپ کا پیار اتعاون حاصل کر کے آپ کی خدمت میں کچھ ضروری باتیں عرض کرنا ہے تاکہ آپ ان پر مناسب غور و فکر کر کے اپنے پیارے دین اور دینی بھائیوں کے متعلق کچھ صحیح فیصلہ کر سکیں۔

مسلمانوں کی بڑی قسمیں موجودہ دور کے مسلمانوں کو اس کتابچہ کی غرض و غایت کے مطابق تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے اور پختہ نظر آتے ہیں۔ ان میں ہمارے علمائے دین اور ان کے پیروکار ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اپنے آپ کو جہاں مسلمان سمجھنا چاہتے ہیں وہاں وہ خود کو تعلیم یافتہ اور مہذب بھی سمجھنا چاہتے ہیں انہوں نے اپنے نظریات و اعمال میں بظاہر اتنی لچک پیدا کر لی ہے کہ جہاں وہ گاہے بگاہے نماز روزہ اور دیگر دینی کام کر لیتے ہیں وہاں وہ دنیاوی مفادات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے معمول میں اگر جھوٹ بول لیں، رشوت لے لیں، جوا کھیل لیں، ٹیلی ویژن یا سینما میں کوئی فلم دیکھ لیں، رقص و سرود کی کسی محفل میں کبھی کبھار شرکت کر لیں تو قطعاً کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے ذہنی

Marfat.com

اور نظریاتی تقاضے کے مطابق اپنا شمار موجودہ معاشرے میں تعلیم یافتہ اور مہذب لوگوں میں کروانا چاہتے ہیں جو بظاہر ایک اچھی صحت مند طلب و خواہش ہے لیکن ستم یہ ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے کے لیے تعلیم کا حصول اتنا معیار نہیں سمجھا جاتا جتنا کہ بعض جھوٹی و کھوکھلی اقدار کو اپنانے کا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال یہ ہے کہ اسلام یعنی اپنے دین کی مناسب تعلیم حاصل کرنے سے اس لیے گریز کرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے ماحول میں جہاں وہ مقبولیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جاہل و دقیانوس نہ سمجھے جائیں اور علمائے دین اور مولوی حضرات سے تو یہ یوں بھاگتے ہیں جیسے شیر سے گیدڑ یا لومڑ۔ اس طبقہ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کی سند اخلاق اور تعلیم کو اتنا نہیں سمجھتے جتنا کہ اپنے ماحول میں یہ تاثر دینا کہ چونکہ انہوں نے اپنے گھروں میں سے پردہ کو جہالت و دقیانوسیت کی نشانی کے طور پر اب اٹھوا دیا ہے للذا اب وہ خود بخود پردہ اٹھوانے کی بدولت مہذب و تعلیم یافتہ دور کے لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ ان کے معیار میں ایک دسویں پاس یا الیف اے پاس جس نے پردہ ختم کر دیا ہے۔ ایک بی اے یا ایم اے پاس سے کہیں زیادہ مہذب و تعلیم یافتہ ہے جس نے ابھی تک پردہ کو اپنا رکھا ہے۔ تیسرا طبقہ ان مسلمانوں کا ہے جن کے نام محض اس لیے اسلامی ہیں کہ انہوں نے مسلمان گھرانوں میں جنم لیا اور ان کے والدین نے ان کے نام رکھنے کا فریضہ ادا کیا لیکن اگر آپ انہیں اپنے دل کی بات کہنے کی اجازت دیں تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ وہ اللہ پاک کے وجود اور اسلام دونوں کے انکاری ہیں کیونکہ انہوں نے مغربی تہذیب پر لٹریچر پڑھا ہے انہوں نے VOLTAIRE، DARWIN، KARL MARX، LENIN اور MAO کے نظریات کو پڑھ رکھا ہے وہ مادہ پرستی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک دین کی پابندیاں بے حقیقت ہیں جو ان کے آبا و اجداد نے اپنے اوپر اس لیے مسلط کر رکھی تھیں کیونکہ وہ ایک ایسے فرضی خدا (نعوذ باللہ) سے ڈرتے تھے جس کا حقیقت میں نہ کوئی وجود ہے اور نہ آج تک کسی نے اسے دیکھا ہے یہ اندازہ کرنا تو قدرے مشکل ہے کہ مسلمانوں کے ان تینوں طبقوں یا حصوں کا آپس میں کیا تناسب ہے کیونکہ راقم کے پاس اس بارے میں کوئی اعداد و شمار نہیں ہیں اور نہ ہی ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے یہ اعداد و شمار فی الحال حاصل کیے جا سکتے ہوں البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ستائیس برس پہلے تک جب کہ پاکستان بنا مسلمانوں کی واضح اکثریت پہلے حصہ ہی کے مسلمانوں سے تعلق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے بحیثیت قوم اپنے دینی جذبے کا بے پناہ مظاہرہ کیا۔ اسلام کے نام پر بے شمار قربانیاں دیں اور پاکستان ان قربانیوں کی بدولت معرض وجود میں آیا۔ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان

Marfat.com

اسلامی اخوت کے جذبہ سے سرشار تھے لیکن دکھ کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دینی غلبہ ماند پڑتا گیا اور مادہ پرستی شدت سے اس کی جگہ لینے لگی۔ یہ ہماری زندگی کا وہ لمحہ تھا جہاں ہمیں سنبھلنا چاہیئے تھا لیکن میری دانست میں ہمارے دینی رہبر اپنے اس اہم ترین دینی فرض کی ادائیگی سے غافل رہے اور جو پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس میں دین کا شیرازہ بکھرتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۱ء کا زمانہ آگیا اور اغیار نے مسلمانوں کی بے دینی اور انتشار سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مشرقی پاکستان مسلمانوں سے چھین لیا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے بعض بھائی مشرقی پاکستان کے المیہ کی ذمہ داری ہندوستان پر ڈالیں اور بعض شیخ مجیب الرحمٰن پر یا جنرل یحییٰ خان پر مگر میرے نزدیک اس المیہ کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہ رہے آپس میں اخوت و یگانگت نہ رہی۔ بڑی سیدھی سی بات ہے کہ جب اکثریت بے دینی کی طرف مائل ہو جائے اور لوگ آپس میں بات بات پر لڑنا جھگڑنا شروع کر دیں وہاں اسلامی اقدار پامال نہ ہوں گی تو اور کیا ہوگا

پاکستانی معاشرے کا حال

اب صورت حال یہ ہے کہ باقی ماندہ پاکستان بظاہر ایک نظریاتی اسلامی مملکت ہے جہاں اسلامی ماحول اور دینی اقدار کا غلبہ ہونا چاہیئے تھا لیکن ماننا پڑتا ہے کہ اس اسلامی مملکت کے موجودہ معاشرہ میں جوا، شراب، رشوت، فریب دہی، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت بتدریج زیادہ ہیں۔ اگر ہم ایمانداری سے اپنے حالات کا تجزیہ کریں اور اپنا محاسبہ کرنے سے نہ کترائیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے دین سے وابستگی کا دم بھرتے ہیں خصوصاً ہمارے علمائے دین حضرات اس دین کی تمام بگڑی ہوئی صورتحال کے ذمہ دار ہیں کیونکہ مسلمانوں میں عوام الناس کی مناسب دینی رہنمائی نہیں کی گئی ورنہ موجودہ لادینیت کی صورت پیدا نہ ہوتی جس زمانہ میں پاکستان بنا ہم میں جذبۂ ایثار و قربانی بدرجہ اتم موجود تھا۔ ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہونے کو سعادت سمجھتے تھے لیکن جونہی پاکستان بنا اور ملک کے تمام ذرائع و وسائل ان کے سامنے ظاہر ہوئے تو راتوں رات امیر بننے کی ہوس نے ہمیں آن گھیرا ہم نے خطرہ محسوس کیا کہ مال و دولت حاصل کرنے کی دوڑ میں ہم کہیں اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہ جائیں لہٰذا ہم جائز و ناجائز، حلال و حرام اور بھلے برے کی تمیز کئے بغیر اپنی دینی اساس کو اس طرح بھول گئے جیسے کہ اس کا ہم سب کے ساتھ شاید دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم اس طرح بتدریج اپنے دین سے دور تر ہوتے چلے گئے۔ ہمارے زوال کی انتہا اس وقت ہوئی جب کہ ہم نے روٹی اور کپڑے کے حصول کی خاطر پاکستان کی بنیادی و نظریاتی اساس سے اعلانیہ کنارہ کشی اختیار کی اور ہم میں سے

Marfat.com

کسی کو یہ احساس نہ ہوا کہ بغیر بنیاد کے پاکستان کی عمارت کیسے کھڑی رہ سکتی ہے۔

مقام مسرت ہے کہ اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ عرصہ دراز کے

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ زوال کے بعد عالم اسلام ایک بار پھر کروٹ لے کر بیدار ہو رہا ہے اور اپنے عروج کی جانب قدم بڑھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل عالم اسلام کو بیدار کرنے میں اور ان میں اسلامی اخوت و محبت پیدا کرنے میں پیش پیش تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں اس کے دین کا غلبہ حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان و مال اور وقت سب کچھ صرف کرتے رہے ہیں۔ لاہور میں پچھلے سال جو تاریخی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی اس کے دوررس نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کا اسلام کے نام پر اس شدومد کے ساتھ سعی کرنا ایک ایسی بات ہے جس نے مغربی تہذیب کے فلاسفروں اور حواریوں کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کا سہرا جہاں پاکستان کے سر ہے وہاں شاہ فیصل بھی اس میں برابر کے شریک ہیں اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس کی دراصل روح رواں ہی وہ ہیں۔ اللہ پاک کے حضور دعا ہے کہ وہ سعودی عرب کے شاہ فیصل جنہوں نے اپنی جان اپنے پیارے دین کی سربلندی کے لئے قربان کر دی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے ولی عہد بھائی شاہ خالد بن عبدالعزیز کو مرحوم کے نقش قدم پر چلنے اور عالم اسلام کو متحد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سب مسلمان تو دین کی بدولت آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے وہ

مسلمان دینی بھائی ہیں پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں۔ ترکی میں ہوں یا ایران میں، مصر میں ہوں یا شام میں شرط صرف یہ ہے کہ وہ اسلام پر عمل پیرا ہوں۔ سورہ حجرات میں ارشاد ربانی ہے

ترجمہ: "یاد رکھو سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کروا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو واضح ہدایت فرما رہا ہے کہ دیکھو تم کہیں بھول نہ جانا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے حقیقی معنوں میں بھائی کی محبت اور جذبات پیدا کریں۔ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے سے ہر ممکن گریز کریں اور اگر اس کے باوجود کبھی دو بھائی آپس میں ناراض ہونے لگیں یا جھگڑنے لگیں تو ان کو ایسا نہ کرنے دیں بلکہ ان کی فوراً صلح کروا دیا کریں اور ساتھ ہی اللہ پاک نے یہ تنبیہہ بھی فرمائی ہے کہ اس کے اس حکم کو کبھی نہ بھولیں اور نہ کسی حالت میں

Marfat.com

نظر انداز کریں بلکہ ہر وقت اس کی ذاتِ عالی شان سے ڈرتے رہیں تاکہ اس بارے میں اس کی حکم عدولی نہ ہو اور اس طرح ہم پر اللہ اپنا رحم کرے۔ اس مقام پر غور طلب مسئلہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ ہم سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارا ایمان اللہ پر بھی ہے اور قرآن مجید پر بھی اور اس کی ہر ایک آیت مبارکہ پر بھی۔ میری دانست میں ایمان لانے کی دو بڑی علامتیں یہ ہیں۔

پہلی کیفیت یہ ہے کہ ایمان کا اعلان و اقرار صرف زبان یا ذہن کی حد تک ہو۔ دوسری کیفیت یہ ہے کہ ایمان کا اعلان و اقرار دل کی گہرائیوں سے اس طرح ثابت ہو کہ اس کے اثرات عمل کی صورت میں واضح طور پر نمودار ہوں اور ہر دیکھنے اور سننے والا اس قلبی ایمان کی بلا جھجک تصدیق کر سکے لہٰذا ہم سب مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہم دین کے اس آئینہ میں اپنے اندر انفرادی طور پر جھانکیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے کون کون سی شکل و صورت اختیار کر رکھی ہے اور کون کون سا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تاکہ یہ ممکن ہو سکے کہ جہاں ہم ضرورت محسوس کریں ہم اپنی شکل و صورت میں، لباس میں اور اپنے قول و فعل میں دین کے تقاضوں کے مطابق ضروری تبدیلی کریں۔

تفرقہ نہ کرنے کی ہدایت

اس ضمن میں حق تعالیٰ سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے

ترجمہ: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو اور خدا کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے اپنی مہربانی سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور جب کہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ ہدایت پاؤ"

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں ہماری زندگی کے کئی پہلو اجاگر ہوتے ہیں جنہیں ہمیں اپنے خلوص و مکمل ایمانی کیفیت سے ذہن نشین کرنا چاہیئے تاکہ ہماری عملی زندگی میں اس آیتِ مبارکہ کے اثرات مرتب ہوں۔ پہلی بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے سے مطلب یہ ہے کہ ہم مسلمان اللہ کے دین پر قرآن حکیم اور رسولِ پاک کے ارشادات کے مطابق سختی سے جمے رہیں اللہ کے احکامات کو انفرادی و اجتماعی زندگی پر لاگو کریں تاکہ ہمارے اعمال کی مناسب اصلاح ہو پھر یہ تنبیہہ فرمائی گئی ہے کہ مسلمان آپس میں ہرگز ہرگز تفرقہ نہ کریں۔ بظاہر یہ تنبیہہ (نعوذ باللہ) معمولی نوعیت کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ عملی سطح پر بھائیوں میں تفرقہ اس لئے نہیں ہونا چاہیئے کہ بھائیوں میں

Marfat.com

تو جذبۂ اخوت ایثار و قربانی غالب ہوتا ہے اس لیے وہاں تفرقہ پیدا ہونے کا کیا سوال لیکن چونکہ رب العزت کی ذات غیب کا علم جاننے والی ہے۔ وہ علیم ہے، خبیر ہے اور حکیم ہے اس لیے وہ جانتی ہے کہ ان مسلمان بھائیوں میں تفرقہ پیدا ہونے کا خدشہ موجود ہے چنانچہ ان میں اختلافات پیدا ہوں گے اور یہ شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے آپس میں تفرقہ کریں گے اس لیے اللہ جلِ شانہٗ ہم مسلمانوں کو ہدایت و تنبیہہ دینے کی ضرورت محسوس کر رہا ہے لہٰذا اس تنبیہہ کو زیادہ موثر طور پر ہمیں ذہن نشین کروانے کے لیے حق تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ ہم یاد رکھیں اور ہرگز نہ بھولیں کہ ہم اپنے طور پر اپنے اعمال کی وجہ سے پہلے دشمن دشمن تھے لیکن اس نے ہم پر اپنا بڑا ہی کرم فرمایا کہ ہمیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اور یہ اللہ کی ہم پر ایسی نعمت ہے کہ جس کا شکریہ بجالانا ہم پر لازم ہے۔

اگر کوئی (نعوذ باللہ)، اللہ پاک کی نعمت کو نہ پہچانے یا اس کی قدر کرنے سے عملی طور پر انکاری ہو یعنی تفرقہ کرنے پر بضد ہو تو اس کو سورہ بقرہ کی وہ آیت ذہن میں لانی چاہیے کہ جب بنی اسرائیل کی قوم نے من و سلویٰ کی نعمت سے ناشکری کی تو ان سے اللہ پاک نے نہ صرف وہ نعمت واپس لے لی بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انہوں نے نعمت کی ناشکری کر کے اللہ پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ پاک کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے تفرقہ سے ہر حالت میں بچنے کی کوشش کریں اور معاملہ یہاں پر ہی بس نہیں ہوتا بلکہ اللہ پاک مزید فرما رہا ہے کہ یہ اس کی عین مہربانی ہے جو اس نے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت ڈال دی ہے اور ہمیں دینی بھائی بھائی کا رتبہ عطا کیا ہے ورنہ ہم خود تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے ہیں اس آیتِ مبارکہ کا مجموعی تاثر یہ ملتا ہے کہ تفرقہ سے بچنے کی تنبیہہ اس خدشہ کی نشان دہی کر رہی ہے کہ امتِ مسلمہ میں اختلافات تو ضرور نمودار ہوں گے کیونکہ جہاں اختلافات پیدا ہی نہ ہوں اور ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں ہم آہنگی ہی ہم آہنگی ہو وہاں تفرقہ پیدا ہونے کا قطعاً سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن چونکہ امتِ مسلمہ میں اختلافات پیدا ہوں گے اس لیے تفرقہ سے بچنے کی تنبیہہ کی گئی ہے لہٰذا اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ ہم سب اپنے دین پر سختی سے جمے رہیں کیونکہ اختلافات ہمیں دین پر قائم رہنے سے نہیں ہٹا سکتے۔ بلکہ ہم سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایسا ہونا ہمارے لیے اس کی مہربانی بھی ہے اور نعمت بھی اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت کو کبھی نہ بھولیں اور نہ اس سے روگردانی کریں بلکہ ہم اپنے اعمال کی رو سے حق تعالیٰ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ہم مسلمان واقعی ایمانی

Marfat.com

ذہنی اور عملی طور پر آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور تفرقہ کی لعنت سے بچنے کے لیے اللہ پاک کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ تو ہے مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی شرح جو راقم نے اپنی دانست کے مطابق آپ کی خدمت میں انحصار کے ساتھ پیش کی ہے۔

باپ بیٹے سے بے نیاز اب اگر ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالتے ہیں تو مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہم اسلامی مملکت پاکستان میں ابھی اپنے دین سے کافی دور ہیں۔ معاشرہ میں جوا، شراب، رشوت، فریب دہی، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری وغیرہ بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ہم بات بات پر تفرقہ کرتے ہیں۔ مادہ پرستی کے عالم میں اپنے نفس کے غلام ہیں۔ ہم میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جو آپس میں واقعی ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں اور اگر کبھی آپس میں دو بھائی الجھ جائیں تو ان کی صلح کروا دیتے ہیں۔ بے شمار گھرانوں میں نفسا نفسی کا تو یہ عالم ہے کہ باپ کو بیٹے کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کچھ کر رہا ہے۔ اس کے مشاغل کیا ہیں اس کے دوست کون سے ہیں۔ وہ اچھے اخلاق کے مالک ہیں یا بدکردار ہیں اور نہ ہی بیٹے کو اپنے والد محترم کی مصروفیات سے کوئی حقیقی دلچسپی و غرض ہے۔ دونوں کو علم ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بعض معاملات میں جھوٹ بول کر ایک دوسرے کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مصلحت یہی سمجھی جاتی ہے کہ یہ سب کچھ خاموشی و سکون سے برداشت کر لیا جائے اس لیے باوجود اس کے کہ عالم اسلام مجموعی طور پر بیدار ہو رہا ہے لیکن پاکستان میں مسلمانوں کو اپنے اعمال کو عین دین کے مطابق ڈھالنے کے لیے ابھی کافی مسافت طے کرنا ہے۔

دینی رہنمائی کون کرے افسوس کے ساتھ یہ اعتراف بھی کرنا ہی پڑتا ہے کہ ہمارے علمائے دین جن کے ذمہ یہ اہم ترین فرض ہے کہ وہ بوقت ضرورت امت مسلمہ کی صحیح دینی رہنمائی کریں وہ بھی اس تفرقہ کا بری طرح شکار ہیں حالانکہ وہ آیات مذکورہ کا پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ ان کی شرح سے بھی بخوبی واقف ہیں اور وہ اپنے عقیدتمندوں کی رہبری کے لیے بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی کسی بھی ایک آیت سے انکار پورے قرآن پاک پر ایمان کی نفی کے مترادف ہے۔ اندریں حالات کیا تفرقہ کی موجودہ کیفیت مندرجہ بالا آیات کی بظاہر نفی نہیں کرتی؟ ہماری اس تفرقہ بازی نے جوان تعلیم یافتہ ذہنوں کو جو اسلام کی طرف پسندیدہ انداز میں رجوع کرنا چاہتے ہیں وسوسے کی سخت الجھنوں میں ڈال رکھا ہے۔ اس وقت ہمارے اندر کم و بیش ۷۲ فرقے ہیں ستم ظریفی یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے تئیں پوری طرح مطمئن نظر آتا ہے کیوں کہ وہ یقین کئے بیٹھا ہے کہ صرف

Marfat.com

وہ ہی حق پر ہے اور باقی تمام فرقے گمراہ ہیں۔ ایسی افراتفری کے عالم میں جوان فکر تعلیم یافتہ ذہن کیسے فیصلہ کرے کہ ہم میں کون سا فرقہ واقعی حق پر ہے جب کہ وہ بیچارہ خود اپنے دین سے ابھی بے بہرہ ہے اور مناسب دینی رہنمائی کے لیے علمائے دین کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔ وہ ان حالات میں ڈرے نہ تو کیا کرے۔ دین سے بھاگے نہ تو کیا کرے اور ادھر ہم ہیں کہ اس بوکھلائے ہوئے نووارد سے اپنے مخصوص عمل کی بدولت اس سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ہم میں شامل ہونے سے پہلے اپنا فیصلہ صادر کرے اور یہ ڈگری دے کہ ہم میں سے کون سا فرقہ راہِ حق پر ہے اور بعد میں ہم اس نووارد کو جو ہمیں اپنے امتحان میں پاس قرار دے دے۔ اسلام کی تعلیم دینے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

راقم نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اس ضمن میں یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ہم نیک نیتی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ و فروغ کی کچھ ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے اور ہم نے عملی طور پر ان کے لیے بہتر مسلمان اور نیک مسلمان بننے کا ماحول پیدا کرنا ہے تو ہم سب پر عموماً اور علمائے دین پر خصوصاً یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ موجودہ تفرقہ کی صورتِ حال کو یکسر بدل ڈالیں۔ وہ اپنے دینی معاملات میں پھوٹ نہ پیدا ہونے دیں۔ یہ مت بھولیں کہ دین کسی ایک مکتبہ فکر یا فرقہ کی ملک نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے اپنی لبساط کے مطابق سمجھے اور تحقیق کر کے نتائج اخذ کرے۔

اس طرح ہر فکر کرنے والا اللہ پاک کی کبریائی جس مخصوص رنگ میں دیکھتا ہے اس میں وہ رنگا جاتا ہے، اسی کو پہچانتا ہے، اسی رنگ کو حقیقت سمجھتا ہے اور صرف اسی کو صحیح سمجھتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ شاید اسی لیے دوسروں کی تحقیق، تجربہ و مشاہدہ اس کو بے معنی و بے حقیقت لگتا ہے۔ اس لیے آپس میں تحقیق، تجربہ و مشاہدہ کے اختلافات تو پیدا ہو سکتے ہیں جو ہمیں نہایت خوش اسلوبی سے بردباری سے اپنے رویے میں مناسب لچک کے ساتھ طے کر لینے چاہئیں اور تفرقہ کی لعنت سے ہر حالت میں بچنا چاہیئے تاکہ مسلمان بھائیوں میں وہ اتحاد پیدا ہو جس کا ذکر حق تعالیٰ سورہ صف میں یوں فرماتا ہے "بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھے اس طرح جہاد کرتے ہیں جیسے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار" اس لیے اگر ہم واقعی یہ صدق دل سے چاہتے ہیں کہ ہم اللہ پاک کے دوست سمجھے جانے کے اہل ہوں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی صفوں میں وہ مثالی اتحاد و یگانگت پیدا کریں جس کی بدولت ہم جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند بن سکیں۔

Marfat.com

تعلیم یافتہ طبقہ میں تبلیغ کی ضرورت میری دانست میں دین کی تبلیغ و فروغ کا کام دو سطحوں پر ہونا درکار ہے۔ ایک تو مسلمان کو دین کی بنیادی ضروریات سے پوری طرح آگاہ کرنا اور اس طرح انہیں بہتر مسلمان بننے کی ترغیب و تربیت دینا تاکہ وہ ان تمام غیر دینی افعال سے بچ سکیں جو گناہ کی فہرست میں آتے ہوں اور اس تبلیغ کی زیادہ تر ضرورت ان مسلمانوں میں ہے جو پہلے طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے اور تیسرے طبقہ میں آتے ہیں یعنی وہ مسلمان جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے دینی کاموں کے ساتھ ساتھ بے شمار غیر دینی اور موجب گناہ کام بلا تامل کر جاتے ہیں اور وہ مسلمان جو صرف نام کے مسلمان ہیں اور دل سے خدا پر کوئی یقین و ایمان نہیں رکھتے۔ اس میں شک نہیں کہ دوسری قسم کے مسلمانوں کو دین کا پابند بنانا تیسری قسم والوں سے نسبتاً آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے لیے بھی یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علمائے دین کو جہاں دینی امور پر عبور حاصل ہوتا ہے وہاں انہیں انسانی نفسیات، مغربی تہذیب، مادہ پرستی اور سوشلزم جیسے امور پر بھی خاطر خواہ دسترس حاصل ہو تاکہ وہ ان مسلمانوں سے ان ہی کے انداز زبان و بیان میں انہیں مطمئن کر سکیں۔ اور ان پر ثابت کر سکیں کہ مجموعی تجزیہ میں اسلام ہی وہ واحد نظریہ و دین ہے جو دنیا و آخرت کے تمام مسائل بخوبی حل کر سکتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر مسلمانوں کو ہمارے علمائے دین یہ تاثر دیں کہ وہ ان سے کسی طرح کم پڑھے لکھے نہیں ہیں اور جو نظریات ہمارے مسلمانوں کو دور لے جانے کا باعث بنتے ہیں ان سے خاطر خواہ علم علمائے دین نے بھی حاصل کیا ہوا ہے مگر اس کے باوجود وہ سب اسلام پر پوری دلجمعی سے کاربند ہیں لیکن اگر ہمارے علمائے دین کی بیشتر تعداد اپنی موجودہ روش پر قائم رہی اور صرف ان نظریات کے حامل مسلمانوں کو برا بھلا کہنے اور کوسنے پر ہی اکتفا کرتی رہی تو ان مسلمانوں کے ذہن کو اسلام کی طرف خاطر خواہ انداز میں راغب کرنے کی بجائے ان میں نفرت و حقارت کے جذبات کو پروان چڑھائے گی اور یہ وہ صورت حال ہوگی جسے کسی بھی انداز سے تبلیغ اسلام کہنا سراسر زیادتی ہوگی۔ سیدھی سی بات ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنا ہم خیال صرف اسی وقت بنایا جا سکتا ہے اور اس کا خاطر خواہ تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کے لیے حقیقی معنوں میں خیر خواہی کے جذبات رکھے جائیں اور اس کے خیالات کو ہمدردی اور غور سے سنا جائے اور پھر اسکے شک و شبہ کو دور کیا جائے۔ اس کے تمام سوالات و اعتراضات کا تحمل مزاجی سے جواب دے کر اسے قائل و مطمئن کیا جائے اور اس دوران اس کے جذبات کو کسی طرح اپنی تلخ کلامی سے مجروح نہ ہونے دیا جائے لیکن اس کے برعکس اگر کسی فرد

Marfat.com

میں حقارت ونفرت کے جذبات پیدا کر دیئے جائیں تو اس وجہ سے وہ فرد ہم سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ حقارت ونفرت تو لوگوں کو آپس میں مرنے مارنے پر بھی بعض اوقات آمادہ کر دیتی ہے میں نے تبلیغ کے سلسلے میں جو مندرجہ بالا دلائل گوش گذار کئے ہیں ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ اندازِ تبلیغ جس پر میں نے زور دیا ہے اگر اختیار کیا جائے تو لازماً اور شرطیہ ہر شخص صحیح اسلام لے آئے گا یہ معاملہ تو توفیق کا ہے جسے چاہے اللہ پاک صراطِ مستقیم اختیار کرنے کی توفیق بخشے اور جسے چاہے اس کے دل پر کفر کی مہر لگا رکھے البتہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے پیارے دین کی نہایت ہی پیارے مدلل اور مہذب انداز میں تبلیغ کریں جس سے لوگ خاطر خواہ انداز میں متاثر ہوں۔

علمائے دین سے مسلمانوں کو شکایات

مجھے یہاں ایک واقعہ یاد آگیا ہے۔ مناسب ہے کہ اسے اپنے نقطۂ نظر کی تشریح میں بیان کرتا جاؤں۔

میں ایک دفعہ مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر تھا۔ وقت عصر کے بعد کا تھا۔ ایک مولانا اپنے مخصوص انداز میں تقریر کر رہے تھے۔ تقریر میں انہوں نے بار بار فارسی کے شعر پڑھے۔ سامعین میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ اس لیے کچھ لوگوں نے شکایت کی مولانا فارسی زبان میں شعر پڑھنے پر زیادہ توجہ کیوں دیتے ہیں۔ مولانا کو یہ شکایت ناگوار گذری، انہوں نے اپنے احباب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے دل کی بات کہنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور اگر کسی ایم اے پاس نے کبھی یہ شعر پہلے نہیں پڑھے یا سنے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ کتنے افسوس کی بات کہ یہ محترم مولانا صرف اتنی ہی دلچسپی رکھتے تھے کہ وہ اپنے ذاتی روحانی تقاضے ہی پورے کریں اور صرف اپنی روحانی پیاس اپنے انداز میں بجھائیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض یا سروکار نہ تھا کہ وہ سامعین کی بھی رہنمائی کریں اور اپنے کلام سے مستفید کر کے ان کی روحانی پیاس بھی بجھائیں وہ بظاہر اپنی اس ذمہ داری سے بالکل بے نیاز نظر آتے تھے جو ان پر اپنے مسلمان سامعین میں تبلیغ کے بارے میں عائد ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تبلیغ کے بارے میں کچھ ذمہ داری تکلف کی کی حد تک تو محسوس کرتے ہوں لیکن اس کو اتنا اہم نہ تصور کرتے ہوں جتنا کہ اپنے علم کا سامعین میں مظاہرہ کر کے دادِ تحسین حاصل کر کے اپنے نفس کو تسکین پہنچانا۔ حالانکہ معاملہ تو بالکل اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔

ہمارے علمائے دین سے عام مسلمان بھائیوں کو یہ بھی خدشہ اور شکایت ہے کہ مسلمان علمائے دین میں سے اکثر اپنے واعظوں میں ایسے من گھڑت قصے اور کہانیاں بیان کر جاتے ہیں

Marfat.com

جن کی صداقت صرف جاہل اور بے وقوف لوگ ہی تسلیم کر سکتے ہیں اور پڑھے لکھے اور باشعور لوگوں پر تو ایسے وعظوں کا الٹا ہی اثر ہوتا ہے کیونکہ بقول ان کے وہ اس اسلام سے جو یہ واعظ بیان کرتے ہیں دور ہی بھلے۔ پھر یہ لوگ بڑے اعتماد کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے واعظ بازاری مجلس لگانے میں تو کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن باشعور پڑھے لکھے لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ انہیں اپنی تعلیم اور عقل پر اتنا اعتماد اور ناز ہوتا ہے کہ اگر وہ کوئی ایسا دینی مسئلہ اپنے علمائے دین سے سن لیں جو ان کی سمجھ میں نہ آسکے تو وہ اس مسئلہ کی صحت پر شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر علمائے دین مسئلہ کی وضاحت میں کسی حدیث مبارک کا حوالہ دیں تو یہ لوگ پھر بھی مطمئن نہیں ہوتے بلکہ حدیث کو ضعیف وغیر معتبر قرار دیتے ہیں چاہے وہ حدیث متفق علیہ ہی کیوں نہ ہو۔ وجہ اس صورت حال کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی بھی خطبہ کا سامعین پر خاطر خواہ اثر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ علمائے دین اپنے سامعین کے ذہنی معیار اور دینی علم کی مطابقت سے خطبات دیا کریں اور اس طرح سامعین کی دینی اور علمی سطح پر اتر کر ان کو علمائے دین اپنا ہمسفر بنائیں اور بغیر گھسیٹے ان کی رضامندی اور ولولے سے انہیں ان کی دینی منزل مقصود پر پہنچائیں اور یہی وجہ ہے کہ راقم بھی اپنی موجودہ تحریر میں حدیث مبارک یا دوسری مستند کتب کا حوالہ دینے سے حتی الوسع گریز کر رہا ہے اور اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کا ہی زیادہ سے زیادہ سہارا لے رہا ہے کیونکہ اگر کوئی ایک متفق علیہ اور مستند حدیث مبارک کو بھی ضعیف سمجھتے ہوئے راقم کے نقطۂ نگاہ پر غور کرنے اور اتفاق کرنے سے انکار یا گریز کرے تو راقم کی اس کتابچہ کو لکھنے کی سعی اس فرد کی حد تک لاحاصل اور بے مقصد ہو جائے گی اس لیے راقم ایسی صورت حال سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا ہے کیونکہ اس کا مقصد ہر ذی شعور اور صحت مند ذہن تک اپنا نقطۂ نظر نہایت صدق دلی سے پہنچانا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بغیر کسی تعصب کی پٹی باندھے ان کے نقطہ نگاہ کو سمجھنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے اور ان کی زبان میں انہی کی علمی سطح پر اخوت و محبت کے جذبہ کے تحت بات چیت کی جائے تاکہ ہمارے اپنے پیارے دین سے وہ وابستگی پیدا ہو سکے جس کے ہم خواہاں اور متمنی ہیں۔

دشمنانِ اسلام کی یلغار دشمنانِ اسلام جو ہمارے دین پر اپنے سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت جو پے در پے گھناؤنے حملے کر رہے ہیں ضرورت ہے کہ ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ علیحدہ باب میں ذکر کیا جائے اس وقت تو صرف اتنا ہی کہنا مقصود ہے

Marfat.com

کہ یا تو ہمارے مسلمان بھائی عموماً اور علمائے دین خصوصاً ان حملوں کے بارے میں بے بہرہ ہیں یا پھر ان ناپاک حملوں سے اسلام کو بچانے میں اپنی ذہنی، علمی اور نفسیاتی بے لبسی محسوس کرتے ہوئے راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر بلا لحاظِ تفرلق و تمیز چپ سادھے ہوئے ہیں اور کفر سے نمٹنے کے لیے بظاہر کوئی کوشش کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے ورنہ میری دانست میں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا کہ وہ آپس میں مکمل اتحاد و یگانگت کو حقیقی معنوں میں اپنے اندر پیدا کریں اور سادہ لوح اور کم علم مسلمانوں کو اس خطرناک پھیلنے والے شر کے ہر پہلو سے آگاہ کر کے بچانے کی سعی کریں۔ راقم یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اسے مختلف مکاتیبِ فکر کے علمائے دین کی مجالس میں گاہے گاہے حاضری دینے کا کچھ شرف حاصل ہوا ہے اور اس نے اس بنا پر یہ بات خاص طور پر محسوس کی ہے کہ ہمارے علمائے دین نے شاذ و نادر ہی کبھی سوشلزم پر، مادہ پرستی پر، مغربی تہذیب پر یا موجودہ دور کے نفسیاتی و جنسی تقاضوں پر اسلام کی روشنی میں کبھی کوئی سیر حاصل تقریر یا بحث کی ہو جس سے موجودہ دور کے جوان تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کرنے اور اس کا اسلام سے ضروری لگاؤ کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ ایسی تقاریر و خطبات ممکن بھی کیسے ہو سکتے ہیں جب تک کہ ہمارے علمائے دین کو ان کے تمام امور پر خاطر خواہ حد تک دسترس حاصل نہ ہو اور وہ اس جوان فکر کے ذہن میں جو اس بارے میں متعدد سوالات اٹھتے ہیں ان کا تسلی بخش جواب اسلام کے حوالہ سے نہ دیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے علمائے دین جن مسئلوں پر بحث کرتے ہیں وہ سب اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں لیکن میں یہاں نہایت ادب و احترام سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ مجھے بتایا جائے کہ ہمارے لیے دین کی رو سے کون سا مسئلہ اہم ترین ہے۔ محفل میلاد کا منعقد کرنا یا نہ کرنا، حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ندائی درود و سلام بھیجنا یا نہ بھیجنا۔ انبیاء علیہ السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا یا نہ ہونا۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا یا بشر ہونا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا کلی طور پر علم تھا یا نہیں۔ نماز ہاتھ باندھ کر یا چھوڑ کر پڑھنا، شلوار ٹخنوں سے اونچی باندھنا، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اہلِ بیت کے روحانی درجہ کا مقابلہ کرنا، احادیث مبارکہ کے ضعیف یا مستند ہونے کی بحث کرنا وغیرہ وغیرہ یہ مسائل وہ ہیں جن پر ہم بحیثیت مسلمان آپس میں شدت سے الجھتے ہیں اور تفرقہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کفار اسلام کو باطل قرار دیتے ہیں اور خدائے عز و جل کے وجود سے سرے ہی سے انکاری ہیں اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ

Marfat.com

اپنی تقریروں اور پراپیگنڈے میں دھوکہ باز اور دیوانہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن پاک کو جھوٹی کتاب گردانتے ہیں اور اسلام پر شہوت پرستوں اور عیاشوں کا دین ہونے کا گھناؤنا الزام عائد کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارے مسلمانوں کو عموماً اور جوان تعلیم یافتہ مغربی تہذیب کے دلدادہ ذہن کو تعصب سے پراگندہ کر کے اسلام سے بیزاری پیدا کر رہے ہیں۔ وہ اپنی ان مذموم کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہیں کیونکہ بے دینی کے رجحان کو اندرون ملک پھیلانے کے لیے جو بیرونی عناصر شامل ہیں ہم ان کا خاطر خواہ محاسبہ کرنے سے یا تو غافل ہیں اور یا پھر اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا محاسبہ کرنے سے قاصر ولاچار۔ اور یہ سنگین صورت حال ہم سب مسلمانوں کے لیے بحیثیت امتِ مسلمہ ایک کھلا چیلنج ہے اور ایک لمحۂ فکریہ۔

البتہ ان دشمنانِ اسلام کی بین الاقوامی یلغار کے خلاف ہماری دینی بہن مریم جمیلہ نے جو صحیح اسلامی جذبہ کے تحت مساعی کی ہیں اور جس طرح یکے بعد دیگرے انگریزی زبان میں کتابیں لکھ کر اس نیک سیرت خاتون نے موجودہ مغربی نظریات کی نہایت مدلل انداز میں ایک ایک کر کے نفی کی ہے اور اسلام کی ان نظریات پر بالادستی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ مریم جمیلہ پیدائش سے امریکن یہودی ہیں جنہوں نے مغربی تہذیب کے ترقی یافتہ امریکی ماحول میں آنکھ کھولی۔ اپنے گرد و پیش کے ماحول کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور جس وقت مغربی تہذیب و تمدن اور اس کی موجودہ اقدار سے بیزاری انتہا کو پہنچی اور دنیا کے تمام موجودہ مسائل کا حل صرف اسلام ہی میں نظر آیا تو اپنا ملک، ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب، مغربی تہذیب و تمدن کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر پاکستان میں رہائش پذیر ہوئیں اور پچھلے دس بارہ برس سے اپنے پیارے دین کی خدمت میں اپنی صلاحیت کے مطابق خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں اور ان کی تمام کتب جوان تعلیم یافتہ ذہن جو مغربی نظریات سے کسی نہ کسی انداز میں وابستگی محسوس کرتا ہے کے لیے دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

لیکن دین کی اس انداز میں خدمت کا فریضہ صرف بہن مریم جمیلہ کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے ہمارے علمائے دین میں بھی بہت سے پڑھے لکھے اور اس انداز میں تعلیم یافتہ ہیں کہ وہ بھی مادہ پرستی کے مغربی نظریات کو باطل ثابت کر کے جوان ذہن کو مطمئن کر سکتے ہیں اور ان کی اسلام کے لیے مناسب رغبت پیدا کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے ذہن و خطاب کی سمت کو بدلیں اور اس طرف متوجہ ہوں۔ ان کے علاوہ ہمارے اونچے طبقہ کے وہ دانشور ہیں، یونیورسٹی اساتذہ ہیں،

Marfat.com

وکلاء اور جج ہیں، ڈاکٹر اور انجینئر ہیں، اعلیٰ سرکاری افسران ہیں جو مسلمان ہیں جو چوری چھپے نماز تو پڑھ لیتے ہیں لیکن کھلے بندوں اسلام کی حمایت کرنے سے کچھ کچھ گریز کرتے ہیں۔ اگر یہ سب صاحبان اپنے دین کی پکار کو سنیں اور پہچانیں اور کھلے بندوں اسلام کا دم بھرنا شروع کر دیں اور اپنے بچوں کو اسلام پر چلنے کی تلقین کریں تو جوان تعلیم یافتہ ذہن جوان کی تقلید کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے ان کی قیادت کا نہایت صحت مندانہ اثر لے اور بہت جلد مثبت انداز میں اسلام کو اپنا لے۔ اس ضمن میں حال ہی میں وکلاء کی کل پاکستان کانفرنس کے موقع پر چیف جسٹس آف پاکستان جناب حمود الرحمٰن صاحب نے، جناب سردار محمد اقبال صاحب چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ نے اور جناب اے کے بروہی صاحب نے جس انداز میں اسلام کی پاکستان میں حمایت و تائید کی ہے وہ واقعی حوصلہ افزا ہے اور انشاءاللہ ایسی مساعی جمیلہ کا خاطر خواہ نتیجہ ضرور نکلے گا۔

مادہ پرستی دین سے دوری کا باعث بنتی ہے۔ یہ انسان میں عموماً لالچ و خودغرضی ہی

مادہ پرستی لالچ و خود غرضی پیدا کرتی ہے

پیدا کرتی ہے۔ دنیاوی اغراض و مقاصد کا حصول جس وقت منتہائے نظر بن جاتا ہے اور باقی سب تقاضے اور قدریں ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہیں تو انسان جھوٹ اور فریب دہی سے قطعاً گریز نہیں کرتا۔ جھوٹ اور فریب نے ہمارے معاشرہ کو اس وقت بری طرح گھیر رکھا ہے۔ وہ گھرانے واقعی بہت خوش قسمت ہیں جو اس کی لعنت سے بچے ہوئے ہیں۔ ہمارا دین جھوٹ بولنے سے ہمیں سختی سے منع کرتا ہے۔ سورہ صف کے آغاز میں ارشادِ ربانی ہے کہ" اے لوگو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔" پھر ہم بحیثیت مسلمان کیوں جھوٹ بولتے ہیں۔ اس بات کا اگر ہم انسانی نفسیات کی مدد سے جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسان جھوٹ صرف اس وقت بولنے کا فیصلہ کرتا ہے جس وقت یہ محسوس کرے کہ اگر وہ جھوٹ بول کر دوسرے متعلقہ شخص کو دھوکہ نہیں دے گا اس کا وہ مقصد یا فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا جو وہ اندریں حالات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس جھوٹ بولنے والے شخص کی ذہنی کیفیت کا اس وقت یہ عالم ہوتا ہے کہ اسے یہ اعتماد نہیں ہوتا کہ اگر اس نے سچ بولا تو اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا یا وہ اپنا مقصد حاصل کر لے گا۔ اسے اپنے اس متعلقہ شخص سے اپنے باہمی تعلقات اور رشتہ پر اتنا بھروسہ نہیں ہوتا کہ اگر وہ ان تعلقات کا سہارا لے کر سچ بولے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آجکل مادہ پرستی کے زیر اثر تقریباً ہر

Marfat.com

گھر اس کی زد میں ہے۔ باپ بیٹا، بہن بھائی تک سب ضرورت پڑنے پر آپس میں جھوٹ بول جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں

جھوٹ بولنا اور جیب کاٹنا برابر ہیں

معاشرہ نے اس جھوٹ و فریب کو اپنی ایک ضروری قدر کے طور پر اپنایا ہے اور اس کو یہ مقبولیت زیادہ اس وجہ سے بھی ہوئی ہے کہ اس کو سیاست یعنی "پولیٹیکل سائنس" میں ایک اہم اور باوقار مقام مغربی تہذیب نے عطا کیا ہے۔ بعض لوگ تو اسے اب انسان کی ایک خوبی کے طور پر شمار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک ایک شخص کی ذہانت، ہوشیاری اور چالاکی کی سند سمجھی جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ جس شخص سے جھوٹ بولا جا رہا ہو بظاہر تو وہ ہنستا بھی ہے ہاں میں ہاں بھی ملاتا جاتا ہے۔ لیکن جھوٹ بولنے والے سے ڈرتا بھی ہے۔ اس کی بات کو ماننے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے دھوکہ باز کو دھوکہ دینے کی کوشش میں ہوتا ہے حالانکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایک جیب تراش کے فعل میں اور جھوٹ بولنے والے شخص کے طریق کار میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جیب تراش اپنے شکار کو ذہنی طور پر غافل کر کے اور اس کی نظروں سے بچ کر۔ اس کی جیب کاٹتا ہے اور اس کی نقدی وغیرہ کا ناجائز طور پر مالک بن جاتا ہے۔ اب جو شخص جھوٹ بولتا ہے۔ وہ بھی اپنے مخالف کو ذہنی طور پر غافل کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ اس سے وہ فائدہ ناجائز طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے جس کا وہ خواہشمند ہوتا ہے یہ فائدہ مالی بھی ہو سکتا ہے اور دوسری قسم کا بھی۔ لیکن جیب تراش کے خلاف تو ہم سب متفقہ طور پر صف آرا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جھوٹ بولنے والے شخص کو ہم بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں چاہے جیب تراش کو جیب کاٹنے کے عمل سے چند روپوں کے سوا زیادہ حاصل نہ ہوا ہو اور جھوٹ بولنے والا شخص دوسرے شخص یعنی اپنے شکار کو ہزاروں بلکہ لاکھوں کا دھوکہ دے کر ان کا خود مالک بن بیٹھا ہو۔ جھوٹ بولنے والے کا محاسبہ شاید اس وجہ سے نہیں کیا جاتا کیونکہ جن لوگوں کو جھوٹ مکر و فریب کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ سبھی ایک ہی گاڑی کے مسافر ہوتے ہیں اور ان کی منزل مقصود بھی ایک ہی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اگر ایک جیب تراش دوسرے جیب تراش کی جیب کاٹے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا بھی محاسبہ نہ ہو۔ راقم کا اس موازنہ کرنے کا مقصد کسی انداز یا طریق میں جیب تراش کی حمایت نہیں بلکہ وہ جھوٹ اور فریب کی لعنت کو اس انداز میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ جو صاحب فکر ہیں تا کہ وہ پوری طرح جھوٹ و

Marfat.com

فریب کے خطرات سے آگاہ ہوں۔

جھوٹ و فریب ہمارے لئے دینی لحاظ سے ایک بنیادی مسئلہ ہے کیونکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو اگر مسلمان اپنا لیں تو وہ اپنے اندر حقیقی بھائی چارے اور اتحاد کی اس کیفیت سے محروم ہو جائیں گے جس کی اللہ پاک کی جانب سے انہیں ہدایت کی گئی ہے اور جو ان کے دین کے فروغ اور ترقی کے لئے ضروری ہے۔ ویسے بھی جو لوگ تہذیب یافتہ ہونے کے دعویدار ہوں ان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ جھوٹ فریب کو کسی انداز میں اپنائیں۔ کیونکہ تہذیب کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ ایک تہذیب یافتہ دوسرے شخص کو جھوٹ بول کر دھوکہ دینے کی ہرگز کوشش نہ کرے اور اس طرح کسی کو ذہنی طور پر غافل یا معطل کر کے اس سے ناجائز فائدہ حاصل نہ کرے مگر ہم سب کا اس نام نہاد مہذب اور ترقی پذیر معاشرہ کے متعلق یہی مشاہدہ ہے کہ لوگ کس طرح آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دے کر ان کے مال و دولت، ان کی زمینوں اور کاروبار وغیرہ پر ناجائز طور پر قابض ہو جاتے ہیں اور حق دار کے حقوق کس بے دردی سے سلب کرتے ہیں۔

تہذیب کے نام پر بدنما داغ

کیا انسان کو محض اس وجہ سے مہذب ترقی پذیر اور جدید مان لیا جاتے کیوں کہ اس نے ان سب باتوں کا بڑے زور شور سے دعویٰ کیا ہے چاہے اُس کا ذاتی فعل ہر قدم پر اُس کی مذمت و ملامت کر رہا ہو۔ اور اُس کے دعویٰ کی نفی کر رہا ہو۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ ذاتی تعریف و تحسین قابلِ اعتبار سند نہیں سمجھی جا سکتی۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ موجودہ دَور کا انسان کچھ اسی قسم ہی کی خود فریبی میں مبتلا ہے۔ مہذب ہونے۔ ترقی پذیر ہونے۔ تعلیم یافتہ ہونے اور جدید ہونے کا تقاضا اور شرط تو یہ ہونی چاہیئے تھی۔ کہ انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال مکمل طور پر ختم ہو۔ امن و امان اور انصاف کا دور دورہ ہو انسانی اور اخلاقی قدریں ہرگز پامال نہ ہوں ہر شخص کا جان و مال محفوظ ہو۔ لیکن جہاں حالات اس کے بالکل برعکس ہوں۔ انسان اپنی خواہشات اور نفس کا پجاری بن جاتے۔ اور دوسرے انسان کی عزت و آبرو۔ مال و دولت پر زبردستی قبضہ کرنا معیوب نہ سمجھتا ہو۔ تو کیا یہ سب کچھ انسانی تہذیب، انسانی تعلیم و ترقی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہیں۔ انسانی تہذیب و ترقی کی اس سے زیادہ اور کیا بھیانک تصویر کھینچ سکتی ہے کہ موجودہ دور کا انسان

Marfat.com

اب ایک دوسرے کو ذرّہ بھر بھی برداشت نہیں کرتا دکھائی دیتا۔ سالہا سال سے جنگوں کے ذریعے ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اب ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایٹمی ساز و سامان تیار کر لیا ہے ویت نام۔ کمبوڈیا۔ قبرص، اریٹیریا، بنگلہ دیش اور مشرقِ وسطیٰ میں اس وقت تک لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں ان میں بچے۔ بوڑھے، عورتیں، نادار سبھی شامل ہیں۔ باقی کروڑں جو بچ گئے ہیں۔ موت ان کو للکار رہی ہے۔ وہ ننگے ہیں۔ بھوکے ہیں۔ پیاسے ہیں۔ بیمار ہیں اور بے گھر ہیں۔ قرائن یہ ہیں کہ باقی دنیا میں بھی امن کی کوئی تسلی بخش ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اقتصادی مسائل اور تیل کا بحران شدت سے سامنے آ رہے ہیں۔ طاقت ور کمزور کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی بے پناہ قوت بتائی جا رہی ہے اور حریفوں کو مرغوب کرنے کے لیے ان کی تعداد گنوائی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ ہمیں موجودہ جدید دَور میں ہماری نام نہاد سائنسی ترقی۔ مغربی تہذیب تعلیم سے ملا ہے۔ کاش اگر آج شہرہ آفاق مغربی فلاسفر دانشور اور سائنس دان زندہ ہوتے تو میں اُن سے یہ پوچھنے کی جسارت ضرور کرتا۔ کہ کیا واقعی آپ اس موجودہ دور کی تہذیب و ترقی سے مطمئن اور خوش ہیں۔ کیا آپ لوگوں کے افکار و نظریات اس سے بہتر معاشرہ تشکیل نہ دے سکتے تھے۔ آپ نے سائنس کی موجودہ نام نہاد ترقی کے خلاف کیوں کر آواز نہ اٹھائی کیا آپ یہ احساس بھی نہ کر سکتے تھے۔ کہ یہ سائنس کے پیدا شدہ ایٹم بم انسانیت کو مکمل تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کریں گے۔ آپ کے افکار نے لوگوں کو آپس میں اتحاد و یگانگت کا سلیقہ نہ دیا۔ آپ نے لوگوں میں جھوٹ و فریب اور لالچ اور خود غرضی کو کیوں اجاگر کر کے دنیا کی شکل و صورت بگاڑ کے رکھ دی۔ راقم کے نزدیک اس صورت حال کا ناقص تجزیہ یہی ہے کہ موجودہ دَور کے انسان کا محض یہ دعوے کر دینے سے بات نہیں بنے گی کہ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ مہذب ہے۔ ترقی پذیر ہے اور جدید ہے۔ چاہے وہ دن رات چلّا چلّا کر یہ کہتا رہے حتیٰ کہ اس کا حلق خشک ہو جائے اور اس کی آواز بھی بے تک نہ نکل سکے۔ اُس دعوے کے سچا ہونے کی تو لازمی شرط بہر صورت یہی رہے گی کہ اُس کے افعال اُس کے دعوے کی ہر سطح پر مکمل تصدیق کریں۔ البتہ اگر ہم نے

والی نسلیں یہ کہہ دیں گی کہ ہمارے موجودہ دور کا انسان واقعی تعلیم یافتہ - مہذب اور ترقی پذیر تھا- تو وہ سرٹیفکیٹ جو موجودہ دور کا انسان اپنے تیئں حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اُسے مل جاتے گا- ورنہ نہیں۔

دلوں میں بیماری ہے

سورہ لبقرہ کے شروع میں بھی اللہ پاک فرماتا ہے کہ" ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے - پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھائی اور واسطے ان کے عذاب ہے درد دینے والا- کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے - اس سے پہلے بھی جھوٹ کے ضمن میں ایک آیت مبارکہ کا حوالہ دیا گیا ہے - اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واضح کر دیا ہے کہ جھوٹ بولنا اسے سخت ناپسند ہے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس نے جھوٹے لوگوں کے لئے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے - اس لئے ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہم پوری طرح غور و فکر کریں کہ مسلمان ہوتے ہوئے ہمارے لئے کتنی گنجائش ہے کہ ہم آئندہ آپس میں جھوٹ بول سکیں - اور اگر ہم اپنی موجودہ مکرو فریب کی روش پر قائم رہے تو کیا اللہ اور قرآن پر جو ہمارا دین ہے ، کوئی آنچ آئے گی یا نہیں - میری دانست میں اگر واقعی ہم تعلیم یافتہ ہیں تو پھر ہماری تعلیم کو ہماری مدد اور راہنمائی کرنی چاہیئے تاکہ ہمارے قول و فعل کا یہ تضاد ختم ہو جائے کیونکہ قول سے تو ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور عملاً ایک دوسرے سے جھوٹ بولنے سے گریز بھی نہیں کرتے - نہایت معذرت کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ جو تعلیم انسان کو اندھیرے میں رکھے اس کی مناسب راہنمائی نہ کر سکے اور اس کے قول و فعل کے تضاد کو ختم نہ کر سکے وہ تعلیم نہیں بلکہ سراسر گمراہی ہے اور ایسا شخص جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے - علمائے دین سے لہذا مودبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے موجودہ اسلامی معاشرہ کا مناسب جائزہ لیں اور اپنی مجالس میں مسلمانوں کو- انبیاء علیہ السلام اور اپنے بزرگان دین کے حالات سنانے کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال کو درست کر کے دین کی نہج پر ڈھالنے کی ضرورت و اہمیت کو پوری شدت سے محسوس کریں اور مسلمانوں کو بھی اپنے تیئں یہ ذمہ داری فرداً فرداً قبول کرنی چاہیئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرتے وقت سچ بولنے کی ترغیب دیں گے اور اپنے فعل سے اس کی حوصلہ افزائی کریں گے - کیونکہ مسلمان اگر آج آپس میں جنسی و مادی تقاضوں کا

Marfat.com

اثر قبول نہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے سچ بولنا شروع کر دیں۔ ایک دوسرے کو تحمل و بردباری سے برداشت کریں اور آپس میں دینی اخوت و محبت پیدا کریں تو ہمارے بیشتر دنیاوی اور دینی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ ہم حقیقی معنوں میں مہذب بھی بن جائیں گے اور تعلیم یافتہ بھی۔ اور اس طرح ترقی کی راہ پر پورے عزم و ولولے سے گامزن ہو جائیں گے۔

مہلک نظریاتی ہتھیاروں سے دین پر حملہ

ہمیں کسی خوش فہمی یا تعصّب کا شکار ہوئے بغیر یہ بات پوری شدت اور شعور کے ساتھ محسوس کر لینی چاہیئے کہ دشمنان اسلام چاروں طرف سے ہمارے پیارے دین کی اساس پر اپنے نہایت مہلک نظریاتی ہتھیاروں سے حملہ آور ہیں۔ ایک طرف سے یہودیت کی یلغار ہے تو دوسری طرف عیسائیت کی۔ تیسری طرف سے جدید دور کی سائنسی تعلیم و ترقی کی اور چوتھی طرف سے مادہ پرست سوشلزم کی اور اس سب کے برعکس اللہ پاک جلشانہ کی ذات ہے جس نے قرآن پاک میں عہد و اعلان کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے دین کی خود حفاظت کرے گی۔ اور اسے تمام دنیاوی ادیان پر غالب کرے گی۔ یہودی نوازی یلغار کی داستان مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں سے میدان جنگ میں لکھ رہے ہیں۔ حالات بتا رہے ہیں کہ موجودہ دور کی عیسائیت مذہبی لحاظ سے سطحی جنسی و مادی خواہشات کے آگے ہتھیار ڈال کر مغرب میں اب دم توڑ چکی ہے۔ البتہ مشرق کے غریب ممالک میں اس کی مشنریز (missionaries) بھوکے ننگے ان پڑھ عوام کو بہکا کر زن اور زر کا لالچ دے کر عیسائی بنانے میں مشغول ہوں۔ لیکن یہاں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی کیونکہ جس مذہبی کام کی بنیاد دوسرے شخص کی لاعلمی اور اقتصادی بدحالی کی وجہ سے اسے لالچ دے کر اس کا استحصال ہو وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ مادہ پرست مغرب میں عیسائیت کی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ ویسے تو عیسائی مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا لیکن حقیقتاً جس وقت وہ بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت تک وہ عموماً بیسیوں شادیاں کر چکا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں عورتیں اس کی جنسی ہوس کا شکار ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس حرام کاری کو قطعاً برا نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ یہ ان کی تہذیب اور تعلیم یافتہ ہونے کی سند قرار پائی ہے۔ حرام بچوں کی

Marfat.com

پیدائش کی تعداد اور حمل ضائع کرانے کی تعداد بھیانک حد تک بڑھ چکی ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کو حرام کاری سے روکنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ چونکہ اس صورت حال نے لوگوں کو بری طرح آتشک اور سوزاک کے موذی متعدد امراض کا شکار بنانا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے مغربی تہذیب اپنے بچوں کو اب یہ تعلیم دینے کے لئے کوشاں ہے کہ وہ کس طرح ان بیماریوں میں لاحق ہونے سے بچ سکیں۔ جنسی تعلقات اور بچے کی پیدائش پر متعدد فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔ وہاں خاندان اور کنبے کی قدریں پامال ہو گئی ہیں۔ والدین بوڑھے ہو کر کتے کی موت تو مر سکتے ہیں لیکن اپنے بال بچوں کی ضروری توجہ حاصل کرنے سے اکثر محروم رہتے ہیں اور اس بگڑی ہوئی صورت حال کا بظاہر ذمہ دار نفسیاتی ماہر سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Feud) ہے جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان پر سب سے زیادہ غلبہ جنسی خواہش کا ہے۔ جو اس پر بچپن سے بڑھاپے تک غالب رہتا ہے اور اس کا بے لگام و بے حدود تسکین پانا ایک قدرتی فعل کے مترادف ہے۔ سگمنڈ فرائڈ کو پڑھنے سے بعض دفعہ یہ احساس آئے بغیر نہیں رہتا کہ شاید یہ فلاسفر جنسی خواہشات کا سب سے بڑا مریض خود ہی تھا۔ موجودہ دور کے مغربی عیسائیوں میں شہوت پرستی اس حد تک بڑھ چکی ہے۔ کہ وہاں اب کھلے بندوں پبلک پارکوں میں جنسی تعلقات کا کاروبار ہوتا ہے لیکن انہیں کوئی حیا و شرم نہیں آتی کہ ان کے ادیب و صحافی اپنی تحریروں میں اسلام پر شہوت پرستی کا الزام لگاتے ہیں اور اس مذموم مہم پر اپنی مختلف انجمنوں سے انعامات پاتے ہیں۔

ہم مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں اپنا ایک جلیل القدر نبی مانتے ہیں۔ راقم اگر ان کے دورِ نبوت میں پیدا ہوا ہوتا تو ضرور عیسائی ہوتا اس وقت سچے مسلمان بھی عیسائی ہی تھے۔ سچے عیسائی صرف وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی یا رسول مانتے تھے۔ لیکن خدا کا بیٹا نہ مانتے تھے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ چونکہ حضرت مریم علیہ السلام کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس لئے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی اور معجزوں سے اتنے زیادہ متاثر ہوئے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند تعالیٰ کا بیٹا سمجھنے لگے۔ یہ عیسائی حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا سمجھیں گے

Marfat.com

کیونکہ وہ نہ صرف بغیر باپ کے پیدا ہوئے بلکہ بغیر ماں کے بھی۔

سائنس کا انحصار عقل پر

جدید سائنسی ترقی اور تعلیم نے موجودہ دور کے انسان کو اپنی عقل اور دنیاوی تجربے پر اعتماد و ناز کرنا سکھایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل کا اپنا ایک مقام ہے اور اپنی افادیت ہے۔ دنیاوی معاملات میں یہ انسان کی بہت خدمت کرتی ہے اور اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ لیکن اس سے یہ اخذ کر لینا کہ انسانی عقل لامحدود ہے۔ اور کائنات کی ہر شے کا بخوبی احاطہ و ادراک کر سکتی ہے۔ یہ حماقت سے کچھ کم نہیں۔ چونکہ انسان خود بُری طرح محدود ہے۔ اسی طرح اس کی عقل بھی انسان کی سوچ اپنے ماحول اور گردو نواح سے متاثر ہوتی ہے ماحول لحظہ بہ لحظہ بدلتا رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سوچ کا انداز اور سمت بھی۔ انسان آنکھ سے جو بدلتے مناظر دیکھتا ہے اور کان جو بدلتی آوازیں سنتے ہیں۔ ان کے مطابق انسان کے بدلتے خیالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے خیالات کی جگہ دوسرے خیالات لے لیتے ہیں اور ان کے مطابق نہ وہ سوچ سکتا ہے اور نہ سوچ کا عمل ایک ہی انداز میں جاری رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے ساکت کر سکتا ہے۔ انسان کی سوچ ناقص ہے اور قدم قدم پر غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ انسان کی سوچ کی بساط کا اندازہ اس مثال سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ترقی یافتہ امریکہ جیسے ملک میں جہاں سائنس نے ترقی اس حد تک کی ہے کہ وہاں تو اب سوچ کا اندازہ بھی سائنٹیفک ہو گیا ہے اس سائنٹیفک سوچ نے آج سے کچھ برس پہلے قومی سطح پر یہ فیصلہ کیا کہ امریکہ کی فوجوں کو ویت نام کی جنگ میں براہ راست شمولیت کرنی چاہیئے۔ لیکن تاریخ نے یہ فیصلہ لکھا ہے کہ کروڑوں ذی شعور افراد کی یہ سائنٹیفک سوچ غلط ثابت ہوئی اور امریکی افواج کو کئی برس برسر پیکار رہنے کے بعد ویت نام سے بڑی ہزیمت سے واپس امریکہ لوٹنا پڑا ہے۔ جس سائنٹیفک سوچ کا یہ حشر ہو۔ تو کیا اسے سائنٹیفک کہنا سائنس کے خوبصورت نام پر ایک بدنما دھبہ کے مترادف نہیں ہے؟ کیونکہ سائنس کو آجکل جس معنوں میں استعمال کیا جا رہا ہے اور اس سے جو تاثر عوام کے ذہنوں میں پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ تو یہی ہے کہ سائنس کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ وہ تو صرف حقائق ہی کو پہچانتی ہے اور صرف انہیں ہی تسلیم کرتی ہے۔ لہذا اگر ایٹم بم بنانے والے ملک یہ کہہ دیں کہ خدا کا (نعوذ باللہ) وجود نہیں تو یہ حقیقت بن گئی اور درست ثابت ہو گیا۔ اور اگر چاند پر اترنے والے ملک کے لوگ یہ کہہ دیں کہ دین

Marfat.com

کی کوئی حقیقت نہیں اور اس کو ماننے والا جاہل اور دقیانوسی تو یہ بھی حقیقت اور ٹھیک۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے اور سمجھا جائے تو سائنس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کہ یہ اس مطالعہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔ جو انسان متواتر قدرت کے اصولوں کا اپنی سوچ اور دانست کے ذریعے کرتا ہے۔ اور اس سے سائنس کے نام پر نتائج اخذ کرتا ہے اور یہ نتائج اپنے اپنے حالات میں عموماً حقیقت کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ سائنسی مطالعہ نے ہمیں بتایا ہے کہ اگر آکسیجن اور ہائیڈروجن گیسوں کو ایک مقررہ مقدار میں آپس میں ملایا جائے۔ تو پانی بن جاتا ہے۔ انسان جس وقت سائنس کا یہ کرشمہ دیکھتا ہے تو عش عش کر اٹھتا ہے۔ وہ یہ حقیقت اخذ کرنے سے اکثر اوقات قاصر رہتا ہے کہ آکسیجن وہائیڈروجن کی آمیزش سے سائنسدان نے پانی نہیں بنایا بلکہ مطالعہ ومشاہدہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے کہ جب بھی اور جو بھی مقررہ مقدار میں آکسیجن اور ہائیڈروجن کو آپس میں ملائے گا تو قانونِ قدرت ان گیسوں کو پانی میں تبدیل کر دے گا۔ آکسیجن بھی قدرت کی پیدا کی ہوئی ہے اور ہائیڈروجن بھی۔ اور ان سے پانی کا تیار کرنا بھی قدرت کا۔ اور سائنسدان تو قدرت میں موجود اشیاء۔ ان کے خواص اور ان کے متعلقہ قانون قدرت کا محتاج ہے اور تابع ہے۔ اس پر قانونِ قدرت کی پابندی لازم ہے۔ وہ جب بھی مخصوص انداز میں آکسیجن اور ہائیڈروجن کو آپس میں ملائے گا۔ تو قانونِ قدرت کے تحت ہمیشہ صرف پانی ہی بنے گا۔ دودھ یا اور کوئی مائع نہیں بنے گا ۔ چاہے سائنس دان اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگالے۔

سائنس خدا کے وجود کی نفی نہیں کرتی

اندریں حالات یہ سمجھ آتی ہے کہ سائنس انسانی مطالعہ کا نام ہے جو انسان قدرت میں موجود اشیاء اور ان کے متعلقہ قوانینِ قدرت کو سمجھنے کے لئے کرتا ہے۔ اور انہیں اپنے فہم کی لباط کے مطابق اخذ کر کے اپنی زندگی میں ان سے استفادہ کرتا ہے۔ لہذا سائنس انسانی فکر و ذہن کی پیداوار ہے۔ اور یہ انسانی فکر و ذہن سے نہ زیادہ اہم ہے اور نہ زیادہ درجہ رکھتی ہے بلکہ یہ اس کی تابع ہے۔ اس لئے جو لوگ سائنس اور اس کی ظاہرہ ترقی کے سہارے دین کی نفی کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی نفسیاتی مرض کا اظہار کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ سائنس دان اگر بے دین ہیں تو دین دار بھی ہیں۔ چاہے وہ مسلمان ہوں، عیسائی ہو، یہودی ہوں، ہندو ہوں۔ بہرحال سب اپنے اپنے عقیدے کے مطابق خدا کو مانتے ہیں۔ پھر سائنس نے آج تک

Marfat.com

یہ کبھی اپنی تحقیق سے ثابت نہیں کیا کہ خدا کا وجود نہیں ہے۔ سائنس کے آلات کے ذریعے خدا کے وجود کو ثابت کرنا یا یہ ثابت کرنا کہ وہ موجود نہیں ایک دور کی بات ہے۔ سائنس تو انسان میں موجود اس کے خیالات اور اس کے جذبات محبت خوف ڈر، غصہ و غمی کو اپنے سائنسی آلات کے ذریعہ نہ دیکھ سکتی ہے، نہ چھو سکتی ہے، نہ تول سکتی ہے، نہ ماپ سکتی ہے۔ تو کیا ہم اس سے یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ انسانی خیالات کا، جذبات و احساسات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ مزید سائنسدان تو کسی بھی حقیقت کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک اس حقیقت کا ثبوت ان کو اپنی لیبارٹری اور مشاہدہ کے ذریعہ مہیا نہ ہو اور اگر اس کسوٹی پر خدا کے وجود کے مطالعہ کو پرکھا جائے تو جو سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ سائنس کی رو سے خدا کا وجود ثابت نہیں ہے تو وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سائنس نے خدا کے وجود کے نہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اس شرح سے وہ زیادہ سے زیادہ یہی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انسانی سائنس خدا کے وجود کا مسئلہ ثابت کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔

سائنس بے بسی کے پھوراہے پر

کیا سائنسدان گھاس سے خون بنا سکتے ہیں اور کیا وہ خون سے آنکھ، ناک، کان، سر کے بال یا دودھ وغیرہ تیار کر سکتے ہیں اگر نہیں کر سکتے تو پھر سائنس پر اس قدر اترانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر گھاس سے خون بنتا ہوا دیکھنا ہو تو اس کو اس فیکٹری میں ڈالو جسے گائے، بھیڑ، بکری یا گھوڑی کہتے ہیں۔ وہ گھاس کھائے گی۔ اور اس کے جسم کے اندر گھاس سے خود بخود خون بنے گا۔ اور اگر خون سے آنکھ، ناک، کان، دانت وغیرہ بنتے دیکھنا ہو تو یہ سب عمل قانون قدرت کے تحت ماں کے پیٹ میں حمل کے بعد ظہور پذیر ہوتے دیکھنا چاہیئے۔

سائنسدان کی تحقیق کا سب سے زیادہ اور مسلسل مرکز خود انسانی جسم کے اس کی ساخت اور مختلف اعضاء کے خواص و عمل رہا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے اگر یہ اخذ کیا جائے کہ سائنسدان نے سب سے زیادہ کوشش انسانی جسم کے عمل کو سمجھنے میں صرف کی ہے تو وہ غلط نہ ہوگا اور یہ بات اس لئے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ وقعت و اہمیت اس کی اپنی زندگی ہے اور سائنسدان ہر ممکن کوشش میں مصروف ہے کہ موت کا عمل ٹل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ سائنسدان نے اپنی لیبارٹری کے آلات کی مدد سے یہاں تک تو دریافت کر لیا ہے کہ انسانی جسم کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ سل (cells) ہے جو حجم میں ذرہ کی مانند ہے اور ہر سل (cell)

Marfat.com

میں بائی پولر الیکٹرک میکنزم (Bipolar electric mechanism) کے ذریعہ حرارت عزیزی (combustion) کا عمل جاری ہے۔ اس نے یہ بھی دریافت کر لیا ہے کہ ہر سل (cell) پر ایک باریک پردہ (Film) چڑھا ہوا ہے۔ جس کی موٹائی ایک سنٹی میٹر کا کئی لاکھواں حصہ ہے۔ اور یہ کہ جتنی باریک یہ فلم ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اس برقی طاقت کو جو بائی پولر میکنزم کے ذریعہ سل (cell) میں پیدا ہو اس کو اپنے اندر جمع یا جذب کر سکے۔ اب سائنس کی ان دریافت و معلومات پر اگر کوئی شخص جتنا چاہے فخر یا غرور کرے لیکن حقیقت پھر بھی یہی رہے گی کہ سائنس زندگی کو پیدا نہیں کر سکتی اور نہ ہی زندگی کے اسرار کو سمجھ کر ان کا احاطہ کر سکتی ہے۔ زندگی کا عمل، بچہ کی نشوونما، جوانی اور بڑھاپے کا عمل ابھی سائنس کے لئے یہ سب معمہ ہی ہے۔

سائنس نے خوردبین کی مدد سے ہمیں بتایا ہے کہ سائنس پر اترانے والا یہ انسان صرف ایک کرم سے پیدا ہوتا ہے جو اپنی جسامت میں ایک چیونٹی سے ہزاروں گنا چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن سائنس ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ اس کرم کی کوئی آنکھیں۔ ناک۔ کان، دل، پھیپھڑے اور جگر وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ یا کہ نہیں اور پھر یہ سائنس ہمیں یہ بھی نہیں بتلاتی کہ اس کرم میں کون کون سی صلاحیتیں کس کس جگہ پر اس میں موجود ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے انسانی جسم کے تمام اعضاء، اس کا گوشت پوست اور اس کی تمام ہڈیاں اپنے اپنے مخصوص حساب اور شکل و صورت میں معرض وجود میں آتی ہیں۔ یہاں تک اس کرم سے پیدا ہونے والا انسان اپنے اپنے والدین کے نقش و نگار کو بھی اپنے ساتھ لے کر آتا ہے جو سائنس ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل انسانی کرم کو سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہے۔ وہ ایسا کرم اپنے طور پر محض اپنی ہی قدرت و عمل سے کیسے پیدا کر سکتی ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ یہ عین انسانی فطرت ہے کہ ہر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرنا چاہتا ہے لہذا اس موجودہ دور کا انسان اپنی بڑائی جتانے کے لئے خود کو تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر کہتا ہے اور خود کو سماج کی اخلاقی اور دینی پابندیوں سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے تہذیب کے نام پر سماج اور اخلاق کی تمام قدروں اور پابندیوں کو پامال کرتے ہوئے خود کو آزاد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کیونکہ پہلی حالت میں تو پھر وہ نسبتاً آزاد تھا اور معاشرہ کو سنوارنے اور تعمیر کرنے کا شرف اسے حاصل تھا۔ معاشرہ میں اس کی قدر و قیمت تھی۔ اس کا خاطر خواہ وقار تھا لیکن اب

Marfat.com

وہ اپنے جنسی و نفسیاتی جذبات و احساسات کا مکمل طور پہ غلام ہو کہ رہ گیا ہے۔ وہ اپنی مادہ پرستی کی بھوک میں اس بری طرح جکڑا گیا ہے کہ وہ اپنے شہوتی و نفسیاتی جذبات کے تابع ہو کر جھوٹ بولتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے۔ دوسرے کے مال و دولت کو حاصل کرنے کی قتل کرنے یا اس کوشش میں قتل ہو جانے سے دریغ نہیں کرتا۔ اس میں دوسرے کو برداشت کرنے اور تحمل و بردباری سے پیش آنے کا مادہ اب ختم ہو چکا ہے۔ خود غرضی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور یہ سب کچھ مین تہذیب و تعلیم قرار پاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس وقت کے لوگ بھی اپنے آپ کو تعلیم و تہذیب یافتہ کہتے تھے۔ وہ اپنے جسم کو ننگا رکھنا معیوب سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک جو لوگ کسی زمانہ میں غاروں میں ننگے جسم رہتے تھے اور صرف پتوں کے ذریعے ہی اپنی شرم گاہوں کو ڈھانپتے تھے وہ جاہل اور غیر مہذب قرار پائے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں یونان اور پھر اٹلی کے لوگوں کو خوبصورتی بدرجہ اتم صرف لوگوں کے ننگے جسموں میں ہی نظر آئی اور اس بہانہ سے اپنے جنسی تقاضے پورے کرنے کے لئے ان کے مرد اور عورتیں کھیلوں میں حصہ لیتے تھے۔ اور اب موجودہ دور میں پھر ننگے جسم کی نمائش انتہائی تہذیب و ترقی سمجھا جانے کا رجحان بتدریج بڑھ رہا ہے۔ تو اندریں حالات اگر کوئی یہ اخذ کرے کہ موجودہ دور کا انسان جو تہذیب و ترقی کے نام پر ننگا رہنا پسند کرتا ہے اور اسطرح اپنے جنسی جذبات کا جن کا کہ وہ اب غلام و تابع ہو چکا ہے ان کی تکمیل میں اسے مدد ملتی ہے۔ بری طرح خود فریبی میں مبتلا ہے تو کون فیصلہ کرے گا کہ حقیقت میں سچی تہذیب کیا ہے، سچی تعلیم کیا ہے اور سچی ترقی کیا ہے۔ محض کسی بات کا دعویٰ کر دینے سے اگر بات بن جاتی ہو تو پھر اور کیا چاہیئے۔ اس طرح تو سب معاملات خود بخود آسانی سے حل ہو گئے۔ کیا بہتر ہو کہ ہم خود فریبی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیں اور ہوش کے ناخن لیں۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ زمین میں ایٹم تو کروڑوں سال پہلے ہی موجود تھا جبکہ کائنات تخلیق ہوئی تھی۔ اس میں پروٹون اور الیکٹرون اسی وقت سے اپنے تمام خواص کے ساتھ موجود تھے لیکن سائنسدان جو کائنات کے تحقیق و مشاہدہ میں شروع سے لگا ہوا ہے۔ اس پر یہ راز افشاء نہ ہو سکا کہ اس ایٹم میں کتنی بے پناہ طاقت چھپی ہوئی ہے جو کہ اس کے توڑنے کے عمل سے حاصل ہوتی ہے آج جس طرح ایٹم بم بنا کر ہم آپے میں نہیں سماتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ قدیم زمانے کا انسان بھی اسی شدت کے ساتھ فخر اور غرور محسوس کرتا ہو۔ جبکہ اس نے پتھروں کے اتفاقیہ رگڑ کھاتے سے آگ کو دریافت کیا تھا لیکن ہم اس زمانے کے سائنسدان کو جس نے کہ ہمیں سائنس سے روشناس کرایا جس نے کہ ہمیں آگ

وحرارت سے استفادہ کرنا سکھایا اور جس کی بدولت ہم آج بھی پتھر کی رگڑ سے اپنا لائٹر جلاتے ہیں ہم اس کو جاہل مطلق سے زیادہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں اور آج سے پانچ سو یا ہزار برس کے بعد کا انسان ہمیں کس حد تک جمع خاطر میں لاتا ہے اس بارے میں آپ جو چاہیں قیاس کر لیں لیکن چونکہ انسان اپنی نفسیات کے ساتھ نہایت قدیم ہے اس لئے ہر دور کا انسان اپنی تہذیب وتمدن اور ترقی کا سہارا صرف اپنے سر پہ باندھ کر ہی راضی ومطمئن ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے اس نام نہاد اور کھوکھلی موجودہ تہذیب وتمدن کی خاطر اگر کوئی شخص اپنی عزت وآبرو، اپنا اخلاق و وقار داؤ پر لگا دے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ آج دنیا کے چاروں طرف جو توپوں اور جنگی طیاروں کی گھن گرج سنائی دے رہی ہے اور جس بے دردی سے انسانی خون بے تحاشہ بہایا جا رہا ہے وہ دور تہذیب وتمدن کا دور کہلانے کا اتنا حق دار نہیں ہے جتنا کہ ظلم وتشدد اور درندگی کا۔

پروفیسر فلپ ہٹی کی بدمعاشی

امریکہ میں اسلام کے خلاف جو تعصب آج پایا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر امریکہ میں پرنسٹن یونیورسٹی کے مذہبی امور کے پروفیسر فلپ کے ہٹی (PHILLIP. K. HETTI) نے پیدا کیا ہے۔ یہ شخص مغربی ممالک میں اسلام کو غیر مسلمانوں میں سب سے زیادہ جاننے والا مانا جاتا ہے اور اس کے اسلام کے متعلق اقوام ان لوگوں کے لئے ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ملعون جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) دھوکہ باز کہتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ تبلیغ کا انداز ہجرت کے بعد عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چونکہ وہ تعصب کی پٹی باندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اسلام قادر مطلق خالق کائنات کا مکمل دین ہے۔ اس میں تمام امور زندگی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہدایات ورہنمائی موجود ہے۔ چاہے وہ سیاسی امور ہوں۔ معاشی ہوں۔ سماجی ہوں یا ازدواجی ہوں۔ اس کا ذہن بالکل پراگندہ اور مفلوج ہے۔ وہ یہ بھی شک کرتا ہے کہ حضور رسالت مآب تعلیم یافتہ نہ تھے۔ کیونکہ بقول اس کے اگر آپ نے کسی جگہ کوئی تعلیم حاصل نہیں کی ہوئی تھی۔ تو پھر نہایت عمدہ واعلیٰ عربی زبان میں قرآن پاک کس طرح پیش کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت اس کے احاطۂ ادراک سے باہر ہے کہ قرآن پاک حضور کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے۔ اس میں نہ کوئی سقم ہے۔ نہ تشنگی۔ بلکہ یہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہے اور چونکہ یہ اللہ جلشانہ کا کلام ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے اپنے بندوں کو چودہ سو برس ہوئے قرآن پاک میں یہ کھلا چیلنج دیا ہے کہ اگر تم سے کوئی اسکو بندے کا کلام سمجھتا ہے تو وہ دنیا کے تمام نامور عربی

Marfat.com

دانوں کو اگر اکٹھا بھی کر لے اور یہ سب مل کر یہ کوشش کریں کہ قرآن پاک کی کسی سورۃ یا آیت مبارکہ کے مقابلہ میں اس کے برابر کا کلام لکھ لائیں تو وہ کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ اگر اس میں پروفیسر یا اس کے ساتھیوں کو یہ شک ہے کہ قرآن پاک خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ ایک دھوکہ باز پڑھے لکھے انسان کا، تو پھر آج چودہ سو سال تک دنیا کو یہ کھلا چیلنج وہ آج تک کیوں نہ قبول کرسکے۔ یہ پروفیسر اپنے قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے تھے لیکن اپنے دعوے کے ثبوت میں وہ کوئی ٹھوس تاریخی حقائق پیش نہیں کرتا جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے تھے۔ یہ ملعون پروفیسر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تیرہ سو برس بعد دنیا میں آنکھ کھولتا ہے اور کس ڈھٹائی اور تعصب کے ساتھ تاریخی حقائق سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد الزامات تراشتا ہے۔ اس کی عقل بظاہر اس حد تک معطل ہو چکی ہے کہ وہ یہ معمولی سی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہے کہ موجودہ دور میں کوئی شخص کسی کو ایک دفعہ یا حد دو دفعہ دھوکا دے سکتا ہے ہمیشہ نہیں۔ دھوکہ بازی کی کامیابی تو زیادہ سے زیادہ چند دن کی ہوتی ہے اور ادھر صورت حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں کروڑوں مسلمان پچھلے چودہ سو سال سے اپنا نبی مان رہے ہیں۔ بلکہ سردار الانبیاء مانتے ہیں اور ان کو ماننے والوں کی کافی تعداد ایسے مسلمانوں کی ہے جو پروفیسر فلپ ہٹی سے کسی طرح کم تعلیم یافتہ اور کم ذہین نہیں ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب یہ پروفیسر یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے تو اس کے ثبوت میں تاریخ کے حوالہ سے یہ بتاتا کہ وہ کس سکول اور یونیورسٹی کے پڑھے تھے۔ ان کے نام کیا تھے اور وہ کہاں واقع ہیں۔ اسی طرح جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پاگل کہنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ پھر تاریخ کے حوالہ سے یہ ثابت بھی کرے کہ وہ کس ڈاکٹر کے زیر علاج رہے۔ اور اس نے کب اور کہاں ان کے مرض کی تشخیص کی۔ ہم تو آجکل اس دور میں رہ رہے ہیں جس میں ٹھوس تاریخی ثبوت پیش کئے بغیر کسی کو مطمئن کرنا دشوار ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکٹر ہٹی نے اپنے دلائل کچھ اس انداز میں دیئے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو وہ کند ذہن واقع ہوا ہے یا پھر وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اگر وہ اس سلسلہ میں دستاویزی ثبوت مانگے کہ وہ ذہنی مریض کب اور کہاں ہوا تھا۔ کس ڈاکٹر نے اس کا علاج کیا تھا۔ اس کے لیسنز کا کیا نمبر تھا اور ہسپتال کا نام کیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس سے کتنی فیس وصول کی تھی۔ اور اس فیس کی وصولی کی تاریخ اور نمبر کیا تھا۔ اس طرح کا ثبوت میں اگر اپنے قارئین کو مہیا نہ کروں میں ان کو مطمئن نہیں

Marfat.com

کر سکتا اور نہ ہی اپنا ہم خیال بنا سکتا ہوں۔ کیونکہ میرے قارئین ضروری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اور تعلیم یافتہ ہیں۔

پروفیسر تعصب سے اندھا ہے

ڈاکٹر فلپ ہٹی پھر یہ الزام بھی اسلام پر عائد کرتا ہے کہ مسلمان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتے ہیں۔ اس عقل کے اندھے کو اب کون سمجھائے کہ مسلمان تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی نہیں البتہ مسلمان جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مانتے ہیں۔ سردار انبیاء مانتے ہیں۔ سرورِ کائنات مانتے ہیں۔ آخری نبی مانتے ہیں اور رحمۃ اللعالمین مانتے ہیں۔ مختصر طور پر اللہ پاک کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کی اللہ پاک کے بعد باقی سب سے زیادہ عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ ان سے مذہبی پیار بھی کرتے ہیں جو اپنے خلوص کی وجہ سے عشق کا مقام بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اور حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عقیدت و محبت صرف دیہات میں رہنے والے ان پڑھ مسلمان ہی نہیں کرتے بلکہ شہروں میں رہنے والے یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ مسلمان بھی کرتے ہیں اور ان کی عقیدت و محبت میں شدت اس لئے بعض حالات میں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی تعلیم اور شعور کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام کو بہتر طور پر سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس ڈاکٹر فلپ نے ہر مقام پر اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے میں یا تو فاش غلطی کی ہے۔ یا پھر وہ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کی خاطر تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں پر باندھ کر اسلام کے حقائق کو جان بوجھ کر توڑ مروڑ کر پیش کر رہا ہے۔ ڈاکٹر فلپ نے اپنے نکتہ نگاہ کو ثابت کرنے کے لئے سب سے زیادہ سہارا اس بات سے لیا ہے کہ چونکہ اسلام خدا کا بھیجا ہوا دین نہیں بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہے۔ اسی لئے عراق، شام اور ایران کے مسلمانوں نے صرف اس لئے اسے اپنایا کیونکہ ان کے مدنظر اقتصادی معاشی اور سماجی مقاصد کا حصول تھا۔ اسلام کو اللہ کا دین نہ سمجھنا بلکہ اس کو انسان کا بنایا ہوا دین سمجھتے ہوئے اسے مادہ پرستی سے ملوث کرنا ایسی شدید غلطی ہے۔ جسے اگر کوئی پہلی جماعت میں پڑھنے والا مسلمان کرے۔ تو اس کو اسلام کی تعلیم کے سمجھنے اور حصول میں بری طرح فیل کر دیا جائے کیا ڈاکٹر فلپ ہٹی نے اب مشاہدہ نہیں کیا کہ مشرق وسطیٰ اور فلسطین کی آزادی کے معاملہ میں اور تیل کے معاملہ میں مسلمان کس طرح اکٹھے ہوئے ہیں۔ کس طرح اللہ کے دین سے لگاؤ رکھتے ہوئے کس طرح ایک دوسرے ملک پر کروڑوں روپے بے دریغ خرچ کر رہے ہیں۔ چودہ سو سال گزر

Marfat.com

جلانے کے بعد بھی ان میں اسلام کا وہی جذبہ پھر پیدا ہو رہا ہے۔ جس کی اسلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق تعلیم دی تھی۔ مسلمانوں میں موجودہ اتحاد دین کی بنا پر ہے۔ جس نے امریکہ اور یورپ دونوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ جنہوں نے ڈاکٹر فلپ کی کتاب "اسلام اور مغرب" پڑھ کر اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے میں شدید غلطی کی تھی۔ اس لئے کتنا ہی اچھا ہو۔ اگر اب یہ ڈاکٹر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اپنی کتاب کو دنیا کے بازار سے واپس منگوا لے اور اسے جلا دے، تاکہ وہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اس تہذیب یافتہ دور میں گمراہ کرنے کا موجب نہ بنے۔

قرآن اللہ کی کتاب ہونے کے ثبوت

قرآن پاک کا اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تو چودہ برسوں کے دوران کوئی بڑے سے بڑا عربی دان قرآن پاک کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکا کہ اس کی صرف ایک سورۃ کے برابر ہی کوئی عربی لکھ کر لے آئے۔ اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی آج تک کوئی اور کتاب نہیں ہے جو حجم میں قرآن پاک جتنی ہی بڑی ہو۔ کئی سو صفحات پر مشتمل ہو اور لوگوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہمیشہ زبانی یاد ہو۔ یہ شرف دنیا میں آج تک صرف اور صرف قرآن پاک ہی کو حاصل ہے کہ اس کے سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان قاری اس وقت چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی دنیا میں موجود ہیں جو تمام کے تمام کلام پاک زبانی پڑھ جاتے ہیں اور زیر و زبر تک کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اور اس حقیقت کی صرف یہی وجہ ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اسلام اللہ کا دین ہے۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لیا ہوا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک چودہ سو سال سے مسلمانوں کے سینے میں محفوظ چلا آ رہا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹر فلپ ہٹی کی آنکھوں سے تعصب کی پٹی کون ہٹائے۔ اگر وہ اسے باندھ رکھنے کی نیت کئے ہوئے ہے۔ اگر وہ اب بھی راضی نہیں ہوتا۔ کہ اللہ کو اسلام کا دین مان لے تو اسے چاہیئے کہ وہ ہماری مسلمان بہن مریم جمیلہ جو کہ ابھی کے امریکہ سے پاکستان تشریف لائی ہیں ان کے اس موضوع پر مستند کتب پڑھ لے شاید اس نیک سیرت خاتون کی باتیں اس ڈاکٹر کے دل میں اتر جائیں۔

قرآن پروفیسر کی حیرت کا موجب

ڈاکٹر فلپ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھے لکھے نہیں تھے تو پھر وہ کیسے ہمہ وقت قرآن مجید عربی زبان میں پیش کر سکتے تھے۔ یہی وہ مقام

ہے جہاں یہ ڈاکٹر بظاہر بھٹک گیا ہے۔ وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ چونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھا لکھا ہونا کوئی ضروری شرط نہ تھا بلکہ ان کا پڑھا لکھا نہ ہونا اس امر کا ڈاکٹر کے لئے واضح دلیل اور ثبوت ہے کہ قرآن اللہ پاک کا کلام ہے اور اللہ پاک نے خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہیں تھے اس لئے ان کے ان پڑھ ہونے کا آپ کے تمام اصحابہ کرام کو علم تھا اور اگر ان کا ان پڑھ ہونا ایک جھوٹی بات ہوتی تو ان کے اصحابہ کرام بلکہ کفار دشمن بھی ان کی نجی زندگی کے ہر پہلو کو جو بہت قریب سے بخوبی جانتے تھے۔ سب سے پہلے وہ قرآن پاک پر اعتراض کرتے اور کبھی ان کو خدا کا پیغمبر نہ مانتے۔ دین کا معاملہ تو دنیاوی اور سیاسی معاملات سے کہیں اہم ہوتا ہے۔ اگر ڈاکٹر فلپ واٹر گیٹ جیسے سیاسی معاملے پر سابق صدر رچرڈ نکسن کا اپنی امریکی قوم سے یہ حشر توقع کر سکتا ہے تو کیا مسلمان کسی دھوکہ باز کو اللہ کا پیغمبر مان سکتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ایسے نتیجے پر پہنچنے کے وقت ڈاکٹر فلپ کی دماغی حالت کیا تھی۔ یہ اسلام کے مخالفوں پر پوری طرح واضح ہو جانا چاہیئے۔ کہ مسلمان نہ تو مادہ پرست ہیں نہ وطن پرست نہ گورے نہ کالے نہ غریب نہ امیر بلکہ وہ سب آپس میں برابر کے دینی بھائی ہیں۔ میں اس وقت سچے اور صحیح مسلمانوں کا ذکر کر رہا ہوں اور اگر کسی شخص کو کسی جگہ اپنے اعمال کی وجہ سے مسلمان آپس میں دینی بھائی دکھائی نہیں دیتے تو قصور اس میں اسلام کا اور اس کی تعلیم کا نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے مسلمان جن کے اعمال کے باعث اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ وہ اپنے عمل و فکر میں ضروری اصلاح کریں تاکہ اغیار ان کے کردار کا سہارا لے کر اسلام پر انگلی نہ اٹھا سکیں۔

رسالت کے سچا ہونے کا ثبوت

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فلپ۔ کے۔ ہٹی اور راس کے دیگر ممالک میں ہمنوا اور ہم خیال ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ کہ کسی طرح اسلام کو باطل دین قرار دیا جائے۔ اگر ایک لمحے کے لئے برائے مناسب غور و فکر اس کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین نہیں ہے۔ بلکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جان بوجھ کر اپنا خود ساختہ دین ہے تو پھر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا۔ ان کی ایسا کرنے کی غرض و غایت کیا ہو سکتی تھی اور آپ اس طرح کن مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اگر ڈاکٹر فلپ کے الزامات کی اس پس منظر میں تحقیق کی جائے تو پھر یہ اخذ کرنا پڑے گا۔ کہ انسان اپنے نفسیاتی تقاضوں کے تحت

Marfat.com

یہ سب کچھ اپنے لئے عیش و آرام ، مال و دولت اور تخت و تاج کی خاطر ہی کرتا ہے لیکن جب وقت ہم حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کا بغرض تحقیق و تنقید جائزہ لینے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضور نے زندگی نہایت مصائب و آلام میں گزاری ۔ جس وقت کہ اسلام دور دور تک پھیل چکا تھا اور مسلمان آپ کے ادنےٰ اشارے پر اپنی جان کا آخری قطرہ تک بہا دینے کو عین سعادت سمجھتے تھے ۔ اس وقت بھی آپ معمولی سی چٹائی پر ہی سوتے تھے ۔ لباس نہایت سادہ پہنتے تھے ۔ سوکھی روٹی کھاتے تھے اکثر فاقہ کرتے تھے ۔ دروازہ پہ دستک دینے والے کو بغیر کھانا کھلائے جانے نہ دیتے تھے چاہے خود بھوکا ہی رہنا پڑے ۔ اکثر پیدل سفر کیا کرتے تھے ۔ یہ تمام اسلامی سلطنت کے سربراہ کی زندگی تھی ۔ نہ تخت تھا ، نہ تاج ۔ جھونپڑی ان کا محل تھا ۔ خزانے میں جو مال و دولت جمع ہوتا وہ غریبوں ، مسکینوں ، یتیموں اور بیواؤں اور نادار لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا ۔ اس میں سے ایک پائی بھی اپنی ذات پر ناجائز خرچ کرنا گوارا نہ کرتے تھے ۔ کیونکہ حکم خداوندی ہی ایسا تھا اور جس وقت وہ فانی دنیا سے حق کا پیغام اللہ کے بندوں کو پہنچا کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے تو سب کچھ امت مسلمہ کے لئے چھوڑ گئے ۔ آپ کی اولاد میں سے نہ کسی کو کوئی تخت ملا ، نہ کوئی ملکہ ہی بنی ۔ کیونکہ آپ بادشاہ نہ تھے ۔ لیکن اسلام کے نام پر حکمِ خداوندی کے تابع ان سب نفسیاتی تمناؤں اور لالچوں سے مکمل طور پر پرہیز و اجتناب کیا ۔ اب قارئین حضرات جو کہ مناسب عقل و شعور کے مالک ہیں وہ خود ہی اپنے تئیں سوچیں اور فیصلہ کریں کہ کیا اسلام واقعی خدا کا دین ہے یا کسی دھوکہ باز انسان کا ۔ اور اگر وہ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اسلام بلاشک و شبہ اللہ ہی کا دین ہے تو پھر وہ شخص جو ڈاکٹر فلپ کے ہٹی کے نام سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے ، کیا وہ کہیں جان بوجھ کر اپنے قارئین کو گمراہ کرنے کی خاطر دھوکہ تو نہیں دے رہا ۔ یا وہ اپنی عقل پر پردہ پڑ جانے سے اس بارے میں غلط نتیجہ پر پہنچنے اور گمراہی میں بھٹکنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکا ۔

یہ آج کہاں گم ہو گئے

جن لوگوں نے دنیاوی جاہ و حشم اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خاطر دنیا میں وسیع سلطنتیں قائم کر لیں اور اپنی حکومت کا لوہا دور تک منوایا ۔ کیا دنیا میں اب بھی ان کی یاد باقی ہے ۔ نپولین ، ہٹلر ، چرچل ، روزولٹ اور سٹالن کو آج کتنے لوگ یاد کرتے ہیں ۔ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس مادی دنیا میں نامور سے نامور اشخاص آتے ہیں ۔ اپنے دنیاوی عروج پر پہنچتے ہیں ۔ پھر ان کا زوال آتا ہے اور وقت

Marfat.com

گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج بھلا دیئے جاتے ہیں اور ایک آدھ صدی گزرنے کے بعد تو بھولے سے ہی شاید یاد آتے ہیں۔ بہت ہوا تو صرف ان لوگوں کا سالانہ دن بطور یادہ منالیا جاتا ہے جن کے کسی فکر و نظریہ کی پیروی کرتے ہوئے کوئی نظام حکومت چلایا ہوتا ہے تاکہ ایسے نظام حکومت سے لوگوں کی نظریاتی وابستگی متعلقہ حکومت اور ملک کے لئے باعث تقویت بن سکے جو لوگ غور و فکر صحت مندانہ انداز میں کرتے ہیں ان کو ماسوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسانی تاریخ میں ایسی والہانہ عقیدت و محبت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پچھلے چودہ سو برس میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کے کروڑوں عقیدتمند مسلمانوں نے دن میں کئی بار درود و سلام نہ بھیجا ہو۔ یہ سلسلہ بدستور جاری ہے اور اسی شدت اور عقیدت سے قیامت تک جاری رہے گا۔ اعداد و شمار کی اس ہمہ گیر حقیقت سے اگر موازنہ کر کے کچھ اخذ کیا جائے تو صرف یہی نتیجہ سامنے آ کر رہے گا کہ دنیا بھر کے ذہنوں کی ذہانت اور نامور دھوکہ بازوں کی دھوکہ بازی کو اگر یکجا کر دیا جائے تو شاید ہٹلر، نپولین یا ڈاکٹر فلپ جیسے اشخاص تو پیدا ہو سکتے ہوں لیکن حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عالیشان مقام ہے جو صرف اللہ پاک کا ہی عطا کردہ ہے۔ انسانی معاملات اور عقل محدود ہوتے ہیں اس لیے محدود سے محدود توقعات ہی وابستہ کی جاسکتی ہیں لیکن اگر کوئی لامحدود حقیقت ظہور پذیر ہو تو اس کا واسطہ بھی صرف لامحدود ہی کی ذات سے کیا جا سکتا ہے اور لامحدود ذات تو صرف اللہ تعالےٰ جلشانہٗ ہی کی ہے جس نے یہ سب بزرگی و فضیلت جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود عطا فرمائی ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اس لیے آپ کے گرد و نواح کے لوگ جو آپ کی سیرتِ مبارکہ اور کردار کو بخوبی جانتے تھے اور آپ کی صاف گوئی اور آپ کی دعوتِ حق سے پوری طرح مطمئن تھے اور پورا پورا ایمان رکھتے تھے وہ تو اللہ کی راہ میں آپ کے سامنے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے پیش پیش رہتے تھے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ کفار کی بہت اذیتیں برداشت کیں۔ مکہ معظمہ سے آپ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے پر مجبور ہوئے۔ یہاں تک کہ سب نے اپنے اپنے گھر کا تمام اثاثہ اللہ کی راہ

میں جہاد کے لیے پیش کیا اور بیشتر نے تو میدان جنگ میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کو پیش کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ دنیا کی ساری تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی جنگ کی مثال ملتی ہو کہ جس میں حصّہ لینے والوں نے بغیر کسی مالی معاوضہ کے حصہ لیا ہو۔ اس مادہ پرست دنیا میں بمعہ ڈاکٹر فلپ۔ کے۔ ہٹی اور اس کے ہم خیالوں کے سب بخوبی واقف ہیں کہ جتنی بڑی قربانی دینے کا خطرہ کسی شخص کو لاحق ہوگا اتنا ہی زیادہ مالی معاوضہ وہ طلب کرے گا اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ فوجی سپاہیوں کی تنخواہ باقی دوسرے ملازموں سے بالعموم زیادہ ہوتی ہے اس روسے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام بلا شک وشبہ انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور لوگ اسے صرف سچا اور صحیح دین مان کر مسلمان ہوتے تھے نہ کہ کسی اقتصادی یا سیاسی غرض کی خاطر۔

ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء

جدید مغربی تہذیب کا ایک بہت بڑا ستون چارلس ڈاروِن (CHARLES DARWIN) بھی ہے جس نے اپنے نظریات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں بظاہر ڈاروِن بائیولوجی (BIOLOGY) کا ایک انگریز سائنس دان ہے جس کے نظریات کو اسی زمانے کے ایک فلاسفر ہربرٹ سپنسر (HERBURT SPENCER) نے انسانی تعلقاتِ عامہ (SOCIOLOGY) میں اپنایا ہے۔ ڈاروِن نے جس وقت انسان میں، جانداروں میں اور پودے اور درختوں میں زندگی کے عمل کا بغور مشاہدہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ۔

۱۔ جس وقت انسان شروع میں زمین پر پیدا ہوا تو یہ جنگلوں میں رہتا تھا۔ پہاڑوں کے غار اس کا گھر ہوتے تھے۔ درختوں کے پتوں سے یہ اپنا تن ڈھانپتا تھا۔ ڈاروِن کے نزدیک انسان جانوروں کی نسل میں سے ایک جانور ہے اور شکل وصورت اور عادات میں یہ بندر کی نسل میں سے ہے البتہ زندگی میں ارتقاء کی منازل طے کرتے کرتے انسان اپنے تہذیب وتمدن کے موجودہ اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہے۔

۲۔ ارتقاء کا عمل ترقی پذیر ہے۔ زندگی کے اس عمل میں بڑی چیز چھوٹی چیز کو

ہڑپ کر رہی ہے، بڑی طاقت چھوٹی طاقت کو مغلوب کر رہی ہے اور اس کو نیست و نابود کر رہی ہے جیسے کہ سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائے اور بڑی بڑی مچھلیوں کو ان سے بڑی وہیل مچھلی کھا جائے یا جیسے کہ جنگل میں خرگوش کو بھیڑیا کھا جائے اور بھیڑیے کو شیر کھا جائے۔ چونکہ انسان بھی ارتقاء کی منزل طے کرتے ہوئے موجودہ تہذیب و تمدن کے مقام کو پہنچا ہے۔ اس لیے مغربی تہذیب و تمدن کی مخالفت کرنا ارتقاء کے ترقی پذیر اصول کے خلاف ہے جو کہ ایک قانون قدرت ہے۔

۳۔ زندگی اپنے طور پر خود بخود قانون ارتقاء کے مطابق معرض وجود میں آتی ہے اور کوئی زندگی پیدا نہیں کرتا۔ قانون ارتقاء ڈارون کو اس وجہ سے صحیح لگتا ہے کیونکہ اگر بڑی شے چھوٹی شے کو اپنے اندر ہڑپ نہ کر لے۔ اور وہ اگر نادار و ضعیف ہونے کے باوجود زندہ رہ سکے تو نئی پیدا ہونے والی زندگی اس تیزی سے بڑھے گی کہ زندگی کا موجودہ نظام توازن درہم برہم ہو کر رہ جائے گا اور ارتقاء کے اس عمل کو ڈارون (SURVIVAL OF THE FITTEST) یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس سے تعبیر کرتا ہے اور اس کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔

مغربی تہذیب پر ڈارون کا گہرا اثر

ڈارون کے ان نظریات نے مغربی تہذیب کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے وہ اپنے مذہبی اور اخلاقی عقاید کو باطل و بے معنی سمجھتے ہوئے بالکل مادہ پرست ہو کر رہ گئی ہے۔ طاقت ور کمزور کو ہڑپ کر جانے یا نیست و نابود کرنے کو اب جائز اور اپنا حق سمجھتا ہے یہاں تک کہ موجودہ دور کا تعلیمیافتہ مسلمان بھی ڈارون کے اس نظریہ کا کسی نہ کسی حد تک اثر قبول کیے ہوئے دکھائی دیتا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر اس نظریہ کا تجزیہ کیا جائے۔ ڈارون تقریباً پونے دو سو سال پہلے اس دنیا میں آیا اور تقریباً ۷۴ برس تک زندہ رہا۔ وہ جس حد تک زندگی کے عمل کو دیکھ سکا اور دیکھتے ہوئے سمجھ سکا اس نے اپنے نظریہ میں بیان کر دیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا اور مائیکروسکوپ

Marfat.com

(MICROSCOPE) کے ذریعہ سے بھی دیکھا کہ بڑی شے چھوٹی شے کو یا طاقتور کمزور کو یا تو ہڑپ کر جاتا ہے یا پھر تباہ و برباد کر دیتا ہے پھر اس نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ نئی زندگی بہت تیزی سے وسیع پیمانے پر ظاہراً خود بخود جنم لیتی ہے اور اگر بڑی شے چھوٹی اور کمزور شے کو ختم نہ کر دے تو دنیا کا نظام بہت جلد تعطل کا شکار ہو جائے۔ اس مشاہدہ سے ایک تو اس نے ارتقائے زندگی کا اصول اخذ کیا اور دوسرے (SURVIVAL OF THE FITTEST) یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کو اخذ کیا۔ ایک حد تک تو یہ نظریات درست لگتے ہیں لیکن کلیتاً نہیں کیونکہ وہ جس وقت یہ کہتا ہے کہ زندگی ارتقاء کے قانون کے مطابق خود بخود معرض وجود میں آتی ہے۔ وہ یہ اس لیے کہتا ہے کہ ظاہرہ زندگی کے عمل میں دیکھنے میں کچھ ایسا ہی آتا ہے۔ وہ طاقت کو اور اسکے عمل پذیر ہونے کو ظاہرہ طور پر دیکھنے سے قاصر ہے۔ اس لیے یہ طاقت اس کے ادراک اور نظریہ کے بیان سے باہر ہے۔ وہ شاید اس معاملہ میں بے خبر ہے یا بھولا ہوا ہے کہ نیوٹن کے قانونِ حرکت کے مطابق کوئی چیز اپنی ہیئت شکل و صورت، اپنی سکونت یا رفتار اس وقت تک نہیں بدلتی بلکہ جوں کی توں پہلی حالت پر برقرار رہتی ہے جب تک کہ کوئی دوسری طاقت خاطر خواہ انداز میں اس پر اثر پذیر نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی پہلی حالت میں تبدیلی رونما ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ زندگی کے عمل کا آغاز اور اس کا ارتقاء اس طاقت کے مرہون منت ہے جس کو ڈارون نہ تو دیکھ رہا ہے اور نہ ہی اس کا ادراک کرتے ہوئے بیان کر رہا ہے۔

ڈارون کہاں غلط ہے۔

دوسرے ڈارون یہ بھی کہتا ہے کہ ارتقاء کا عمل بذاتِ خود ایک قانونِ قدرت ہے جس کے تحت تیزی سے پیدا ہونے والی نئی کمزور زندگی کا خاتمہ نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر دنیا کا نظام زندگی زیادہ دیر چل نہیں سکتا۔ یہاں بھی ڈارون یہ اخذ کرنے سے پھر قاصر ہے کہ یہ کون سی قوت اور طاقت ہے جو زندگی کے ارتقاء کے عمل کو جاری رکھنے کے لیے طاقتور سے کمزور نئی زندگی کا خاتمہ کرا

رہی ہے تاکہ اس طاقت کا نظام زندگی کامیابی سے چل سکے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ زندگی کا عمل انتہائی حد تک مکمل اور قانون قدرت کے تابع ہے۔ یہاں تک کہ اس میں ذرا سا بھی رخنہ کسی جگہ پڑ جائے تو زندگی کا عمل بہت بری طرح بگڑ سکتا ہے بلکہ سرے سے ختم بھی ہو سکتا ہے جس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس نظام زندگی کو قائم رکھنے والی اور چلانے والی ایک باشعور زبردست طاقت کار فرما ہے۔ اگر کسی کو اس بات کی صحت میں کوئی شک ہو تو وہ ماہرین طب سے انسانی جسم اور اس میں زندگی کے عمل کے بارے میں دریافت کرے۔ ماہرین علم طب بھی اپنی لائن میں سائنس دان ہی ہوتے ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ کیا انسانی زندگی کے ارتقاء کے عمل میں کوئی بیرونی طاقت کار فرما ہوتی ہے کہ نہیں۔ میرے خیال میں جتنی مسلسل اور پیہم کوشش علم طب کے سائنسدانوں نے انسانی جسم کے عمل کو اور اس میں واقع ہونے والے تغیر و تبدل کو سمجھنے کے لیے کی ہے وہ کسی اور شعبہ کے سائنسدانوں نے نہیں کی۔ لیکن اس تمام تحقیق کا ابھی تک وہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا جتنی کہ اس سلسلہ میں کاوش کی گئی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حالات میں اس وقت تک کسی قسم کی تبدیلی اپنے طور پر ظہور پذیر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی مؤثر بیرونی طاقت اثر پذیر نہ ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ دیکھنے والا اس طاقت کا مشاہدہ یا ادراک کرنے سے قاصر ہو اور اس وجہ سے وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ طاقت کیا ہے۔ کتنی ہے، کس کی ہے اور کس انداز میں کارفرما ہے۔

ڈاروِن نے جو یہ بھی کہا ہے کہ ہر تبدیلی جو ارتقاء زندگی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ صرف ترقی پذیر ہونے کی ہی علامت سمجھا جائے اور اس وجہ سے موجودہ مغربی تہذیب کو ارتقاء زندگی کا عمل سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت ترک کر دی جائے۔ یہ بات بھی تجزیہ کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی اور اس مقام پر یہ شک گزرتا ہے کہ کیا ڈاروِن بائیولوجی کا ایک ممتاز سائنسدان تھا یا کہ ایک سیاست دان جو اپنی سائنسی نظریات کا سہارا لے کر موجودہ مغربی تہذیب کو دنیا میں کسی بہانے مقبول کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارتقاء زندگی کے عمل کے

طور پر جو تبدیلی ظہور پذیر ہوتی ہو' وہ اچھی ہو اور اسے ترقی پذیر عمل کے نام سے تعبیر کیا جا سکے۔ اگر یہ بات واقعی درست ہو تو پھر عالمی جنگ جو ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی تھی تو اس وقت پھر جرمنی۔ فرانس۔ برطانیہ۔ امریکہ اور روس وغیرہ کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے تھی بلکہ اس کو ڈارون کے قول کیمطابق ترقی سمجھتے ہوئے قبول کر لینا چاہیئے تھا اور یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس جنگ میں جو تباہی و بربادی ہوئی' اس کے اثرات ابھی تک نوع انسانی پر موجود ہیں اور جو کچھ اس عالمی جنگ کی بدولت انسانوں کو ملا وہ باقی شاید سب کچھ ہو' بھوک و افلاس ہو یا فوت ہو بہرحال نوع انسانی کی ترقی نہیں تھا اور اس کو ترقی کہنے پر اصرار کرنا ایک ذہنی دیوالیہ پن کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا اور پھر یہ دلیل کہ چونکہ ارتقار کا عمل ترقی پذیر ہوتا ہے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کے بغیر ارتقار کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا۔ مخالفت تو عملی ارتقار میں زندگی کی بقار کے لیے ایک جدوجہد کی حیثیت رکھتا ہے جسے ڈارون نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی کیفیت سے خود ہی تعبیر کیا ہے۔

عمل ارتقائے سے دین ثابت ہے

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ زندگی کی ارتقار کا عمل خود بخود واقع نہیں ہو رہا بلکہ اس ارتقار کے عمل کے پیچھے ایک واضح طاقت کارفرما ہے اور جس وقت یہ دنیا اور باقی تمام کائنات معرض وجود میں آئی اور سورج' چاند' زمین اور دوسرے تمام سیاروں نے اپنے محور کے گرد گھومنا شروع کیا تو یہ سب عمل بغیر طاقت کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طاقت کس کی ہے؟ کون اسے استعمال کر رہا ہے اور کس انداز میں کر رہا ہے تو مسلمان بھائیوں کو اس کے سوا اور کوئی خاطر خواہ جواب نہیں مل سکے گا کہ یہ صرف اللہ پاک ہی کی ذات ہے جسے یہ تمام قدرت و طاقت حاصل ہے کہ وہ تمام قانون قدرت بھی بنائے اور زندگی کے ارتقار کا عمل بھی پیدا کرے' انسان کو ہوا میں سے سانس کے ذریعہ آکسیجن پہنچائے اور جو کاربن ڈائی آکسائڈ انسان اپنے سانس کے ذریعہ

Marfat.com

خارج کرے اسے درختوں اور پودوں کی خوراک بنا دے اور اس کے بدلے ان سے آکسیجن وصول کر کے انسان کی زندگی کے جینے کے لیے آکسیجن مہیا کرے۔ یہ سب کرشمے صرف اسی ذاتِ اعلیٰ کے ہیں جو کہ قادرِ مطلق ہے۔ سب سے دانا ہے اور سب سے زیادہ علم رکھنے والی ہے (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا اگر تجزیہ کیا جائے تو FITTEST کے معنی ہوں گے سب سے موزوں ترین یا سب سے طاقتور اور (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے پورے جملہ کے معنی ہونگے کہ سب سے موزوں ترین کی بقا، یا سب سے طاقتور کی بقا۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سب سے طاقتور وہ کون ہے جسے بقا حاصل ہے۔ وہ تو صرف اللہ پاک ہی کی ذات ہے اور جس وقت زندگی کے ارتقاء کا عمل اپنی انتہا کو پہنچے گا تو اس کے بعد زندگی کے ارتقار کے عمل کے مزید جاری رہنے کی کوئی مزید گنجائش نہیں رہے گی یعنی سب سے طاقتور باقی سب چھوٹی طاقتوں کو ختم کر دے گا اور یہ سب سے طاقتور ذات حق تعالیٰ کی ہوگی اور جس دن ارتقار کا عمل مکمل ہوگا وہ روزِ قیامت ہوگا۔ مناسب ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر اب دین اور ڈارون کے مسئلے کو ختم کر دیا جائے۔

کارل مارکس کا نظریہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے تھوڑا سا ذکر کارل مارکس کے نظریہ کا بھی کر دیا جائے۔ کارل مارکس مغربی جرمنی کا رہنے والا تھا۔ اس کے زمانہ میں جرمنی صنعتی ترقی کے عروج پر تھا اس نے دیکھا کہ لاکھوں مزدور دن رات فیکٹریوں میں جا کر کام کرتے ہیں لیکن ان بیچاروں کو مناسب اجرت نہیں ملتی اور کارخانہ دار تمام دولت سمیٹ کر لے جاتے ہیں اور صرف اپنی تجوریاں بھرتے ہیں لیکن غریب مزدور کی فلاح و بہبود پر کم ہی خرچ کرتے ہیں۔ اس صورتحال سے وہ بے حد متاثر ہوا اور غریب مزدوروں کا سرمایہ داروں کے ہاتھوں اس بری طرح سے ہونے والے استحصال کو وہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے مزدوروں کو اس استحصال سے بچانے کے لیے ان میں شعور پیدا کرنے کے لیے انہیں یہ نظریہ دیا کہ کسی ملک میں اصل طاقت کا سرچشمہ صرف مزدور ہیں کیونکہ اگر وہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے مزدوری نہ کریں تو تمام فیکٹریوں کی مشینیں چلنا بند ہو جائیں گی اور سرمایہ دار کی دولت پیدا ہونا بند ہو جائے گی چنانچہ اس نظریہ کے تحت مزدور منظم ہونا شروع ہو گئے اور انہوں نے اپنے جائز حقوق کے حصول کے لیے کامیابی

Marfat.com

کے ساتھ جد و جہد شروع کر دی۔ اس نظریہ کو پہلے لینن نے روس میں اپنایا اور بعد میں ماؤزے تنگ نے چین میں۔

سوشلزم میں استحصال کی حقیقت

کارل مارکس کا یہ مادی نظریہ بظاہر بہت مناسب اور بھلا لگتا ہے۔ اصل میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس نظریہ کے حامل لوگ اصولی طور پر استحصال کیخلاف عمل پیرا ہوتے اور کسی قسم کا استحصال ہرگز برداشت نہ کرتے لیکن مشاہدہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ایسا ہوا نہیں۔ اس نظریہ نے مزدوروں میں سرمایہ دار کے خلاف تعصب پیدا کیا اور اس کو اکسایا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اب سرمایہ دار کا استحصال کرے بلکہ مشاہدہ تو یہاں تک بھی ہوا ہے کہ اس نظریہ کا حامی غریب اب بھی غریب کا استحصال کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی ملا کر اپنے غریب ساتھی کا جو دودھ کا خریدار ہے اس کا بری طرح سے استحصال کرتا ہے پرچون فروش خوردنی اشیا میں ملاوٹ کر کے غریبوں کا استحصال کرتا ہے۔ رکشہ ڈرائیور اپنے میٹر کو تیز چلا کر استحصال کر رہا ہے۔ دکاندار کم تول کر استحصال کر رہا ہے۔ چہ جائیکہ ہر جھوٹ بولنے والا شخص دوسرے کو دھوکہ دیکر اس استحصال کر رہا ہے اور یہ استحصال تو اتنا ہمہ گیر ہے کہ شاید کوئی خوش نصیب ایسا ہو جو اس کی زد میں نہ آیا ہو۔ اور اس بڑھتے ہوئے استحصال کی وجہ یہ ہے کہ کارل مارکس کا نظریہ صرف مادی نوعیت کا ہے۔ وہ اخلاقی پہلو سے استحصال کی نہ مذمت کرتا ہے اور نہ ہی روک تھام۔ اس لئے استحصال کے موثر خاتمہ کے لیے صرف وہ نظریہ ہی کامیاب ہو سکتا تھا جو مادی ہونے کے ساتھ ساتھ اسی شدت سے اخلاقی بھی ہو۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں کسی فلاسفر نے زندگی کا ایسا کوئی نظریہ نہیں دیا جو مادی بھی ہو اور اخلاقی بھی البتہ یہ ضرورت صرف اسلام ہی بڑے احسن طریقے سے پوری کرتا ہے کیوں کہ جہاں ہمارا دین ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو وہاں وہ یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنا مال و دولت فراخدلی سے خرچ کرو۔ بیوائیں، یتیموں، مسکینوں، غریبوں ناداروں اور مسافروں سب کی مناسب مالی مدد کرو۔ ان کو اگر ضرورت ہو تو کھانا کھلاؤ پہننے کے لیے کپڑے مہیا کرو وغیرہ وغیرہ اور پھر ہمارا دین ہمیں جھوٹ بولنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے سے سختی سے منع کرتا ہے اور اس طرح اس سلسلہ میں بھی نوعِ انسانی کی نجات صرف اللہ ہی کے دین میں نظر آ رہی ہے البتہ اگر موجودہ دور کے مسلمان ابھی تک جھوٹ بولتے ہیں، ایک دوسرے کو دھوکہ

دینے کی کوشش کرتے ہیں اور غریبوں مسکینوں کی مناسب امداد پر آمادہ ہوتے نظر نہیں آتے تو یہ قصور دین کا نہیں بلکہ ہمارا ہے کیونکہ ہم اسلام پر سختی سے کاربند نہیں ہوتے جس وجہ سے ہم مادی اور اخلاقی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم اسلام سے اپنی وابستگی کا کھلے بندوں اظہار کرتے ہوئے قطعاً نہیں ہچکچاتے اور جب اپنے ذاتی مفادات اسلام کی زد میں آتے دیکھتے ہیں تو اپنے دین سے روگردانی کرتے ہوئے ہچکچاتے بھی نہیں۔ ہمارے بعض علمائے دین جو مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے منصب پر خود کو فائز کئے ہوئے ہیں۔ وہ چند ہزار روپوں کے لالچ میں اپنے ضمیر اور اپنے اسلام دونوں کا اغیار کے ساتھ سودا کر لیتے ہیں اور یہ صورت حال ایسی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اس طرح مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ کسی اور کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ خدا کو تو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے ہمارے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے دین سے وابستگی صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک ہی نہ رکھیں بلکہ اپنے اسلامی نظریات کی تطہیر کرتے ہوئے اپنے اعمال کو عین دین کے مطابق بنانے کی کوشش صدق دلی سے کرنی چاہیئے۔

ڈاکٹر فرائی کی اسلام دشمنی

مغربی مفکر اپنے ہاتھ سے ایک منظم مہم کے تحت کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جس کے ذریعے وہ ہمارے دین پر رکیک حملے نہ کریں ویسے تو اسلام پر یہ حملے ہر مملکت میں گاہے گاہے ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن اس بار شیراز یونیورسٹی کے مشہور امریکی مستشرق پروفیسر ڈاکٹر رچرڈ نیلسن فرائی جو لاہور میں حال ہی میں شامِ ہمدرد کی ایک تقریب میں مہمانِ خصوصی تھے۔ موضوع تھا "پاکستان میں اسلام کا ورود"۔ پروفیسر فرائی اپنی تقریر میں یہ کہتے ہوئے کہ میں نہ تو ڈپلومیٹ ہوں اور نہ کوئی سیاسی شخصیت اسلام پر برس پڑے اور بہانہ یہ بنایا کہ میں تو صرف سچ بولنے آیا ہوں۔ اس پر مخالفینِ اسلام نے بغلیں بجائیں، قہقہے لگائے اور اس پس منظر میں پروفیسر فرائی نے الزام لگایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہدِ حکومت میں لوگوں کو مسلمان کرنے سے روکا کیونکہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جزیہ نہیں دیتے تھے اور اس طرح خزانہ پر اثر پڑتا تھا۔ پروفیسر فرائی نے یہاں تک کہہ دیا کہ عمر بن عبدالعزیز اسلام کی کالی بھیڑ تھے اور یہ سب کچھ اسلامی مملکت پاکستان کے عظیم شہرِ لاہور میں دن دہاڑے ہوا جس کا علم ہمارے علمائے دین کو قطعاً نہ ہوا البتہ جناب مسرت حسین زبیری سیکرٹری جنرل آر سی ڈی جو جلسہ کی صدارت کر رہے تھے وہ ان الزام تراشیوں پر خاموش نہ

Marfat.com

رہ سکے انہوں نے ایک ایک کر کے پروفیسر فرائی کے تمام الزامات کو جھٹلایا اور جب پروفیسر فرائی سے اس ضمن میں متعدد سوالات کئے گئے تو وہ اپنا سچ بولنا بالکل بھول گئے اور انہوں نے سوالات کا گول مول جواب دے کر راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی بہتری جانی۔ اس طرح اسلام کو ماڈرن تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کی محفل میں رسوا کرنے کی جو پروفیسر فرائی نے کوشش کی تھی وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اگر مسرت حسین زبیری صاحب کو اپنے دین کی معلومات نہ ہوتیں اور وہ پروفیسر فرائی کو جھٹلا نہ سکتے تو ہمارے نوجوان مسلمان ذہن تو پروفیسر فرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے بیزار ہو کر اس محفل سے رخصت ہوتے کیونکہ اس محفل میں ہمارے علمائے دین میں سے غالباً کوئی موجود نہ تھا۔ شاید اس لیے کہ ہمارے بیشتر علمائے دین کو آپس کے دینی اختلافات سے یا تو فرصت نہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر غیر مسلموں کی یلغار کو صبر و تحمل سے برداشت کر جاتے ہیں وہ نہ تو ان کی مذموم یلغار کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے مسلمانوں کی مناسب دینی رہنمائی کے فرائض ادا کرتے ہیں۔ مجھے نہایت معذرت کے ساتھ ان تلخ حقیقتوں کی طرف اشارہ کرنا پڑ رہا ہے تاکہ ہمارے علمائے دین کو یہ احساس ہو جائے کہ موجودہ حالات کے تحت مسلمانوں کا اپنے معزز علمائے دین سے کیا تقاضا ہے اور ان سے کیا توقعات وابستہ ہیں اور وہ دین کی خدمت کی کسوٹی کیسی خدمت کو سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں اپنے علمائے دین کی خصوصی توجہ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کی طرف دلاتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ذمہ یہ فرض عائد کرتا ہے کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغامِ حق اپنی امت کو پہنچا دیا۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی لوگوں پر شہادت دیں گے۔ قرآن پاک میں جس شہادت یا گواہی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ گواہی اس بارے میں ہے کہ اللہ پاک کے دینِ حق کا پیغام اس کے لوگوں کو پہنچانا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے اگر ہمارے علمائے دین اس طرف مناسب توجہ دیں اور لوگوں یعنی غیر مسلموں میں اسلام کے خلاف جو دروغ گوئی اور الزام تراشی سے زہر اگلا جا رہا ہے وہ نہ صرف اس کے اثرات کو زائل کریں بلکہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا فرض بھی ادا کریں۔ اللہ پاک سورہ البقرہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے "ہم نے اسی طرح تمہیں بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں"

دینی بھائیوں کا دل دکھانا مقصود نہیں راقم اس مقام پر ایک بار پھر نہایت معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس کا ہرگز ایک لمحہ کے لیے بھی یہ مقصد نہیں کہ وہ اپنے معزز علمائے دین کی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی کسی انداز میں رتی بھر بھی دل آزاری کرے اس کا واحد مقصد تو صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی نیک نیتی کے ساتھ اپنی محدود دانست و بصیرت کے مطابق وہ سب کچھ اپنے مسلمان بھائیوں کے گوش گذار کرے جو بحیثیت مسلمان ان کے زوال کا باعث اسے محسوس ہوتا ہے تاکہ صورت حال کی مناسب اصلاح سے اسلام کی کچھ حقیر سی خدمت کا سبب بن سکے اس لیے جو علمائے دین اور مسلمان بھائی اس تجزیہ کی زد سے باہر ہیں اور انکی زندگی اُنکے پیارے دین کے تقاضوں کے مطابق ہے اور وہ اس سے پوری طرح مطمئن ہیں وہ نہ صرف راقم کے پورے ادب و احترام کے مستحق ہیں بلکہ اس کی مبارکباد کے بھی اور یہ فیصلہ کرنا کہ وہ واقعی اپنے دین پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں یا تو خود ان کے اپنے ہی ذمہ ہے یا پھر اللہ عزوجل کے دائرہ اختیار میں۔ راقم نے یہ جائزہ کسی خاص مسلمان فرد یا جماعت کو مدنظر رکھ کر نہیں لکھا بلکہ اس کی حیثیت ہر لحاظ سے عمومی یا مجموعی ہے تاکہ مسلمانوں کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرکے ایک سلجھے ہوئے مدلل انداز میں ان کی علمی سطح کے مطابق ان میں اپنے دین سے رغبت اور وابستگی پیدا کی جائے اور یہ مقصد صرف اسی حالت میں کسی حد تک پورا ہو سکتا ہے۔ اگر قارئین حضرات کے جذبات و احساسات کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور ان کا واجب احترام بھی کیا جائے اس لیے راقم عرض گو ہے کہ اگر اس تجزیہ کے کسی لفظ یا کسی حصہ سے کسی بھائی کو اعتراض ہو یا تکلیف ہو یا ناگوار گذرا ہو تو راقم کو فراخدلی سے معاف کر دیا جائے ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے اختلاف کر سکتا ہے لیکن تفرقہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے جذبات کو کسی طرح ٹھیس پہنچانے کے متعلق سوچ سکتا ہے۔

انسان کے نفسیاتی تقاضے ظاہری سی بات ہے کہ انسان نفسیاتی طور پر اپنے اوپر کسی قسم کی پابندی یا قید کو برداشت کرنا نہیں چاہتا چاہے یہ پابندی قانون قدرت کے تحت لگائی جائے یا انسان کے اخلاقی یا مذہبی تقاضوں کے تحت ہو چونکہ قانون قدرت کی لگائی ہوئی پابندیوں کو توڑنا اور ان سے رہائی پانا اس کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے اس کی فکر اس حد تک تو ناکام رہی البتہ اس نے سماج کی اخلاقی و مذہبی پابندیوں کو اپنی عقل کی بساط پر توڑنے کی راہ نکالی چنانچہ مغربی فکر اخلاقی و مذہبی پابندیوں کی تضحیک کرتی ہوئی اسے

Marfat.com

دور لے گئی اور اس نئی فکر نے انسان کو اس بری طرح مادہ پرستی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ مغربی فکر نے اسے حرص و ہوس کا غلام بنا دیا ہے۔ یہ اپنی جنسی خواہشات کا غلام بن گیا ہے۔ اس کے جذبات کی شدت اس پر غالب آجاتی ہے۔ دوسرے شخص کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے وہ آمادہ نظر نہیں آتا۔ اپنی خود غرضی کے عالم میں وہ دوسرے کو قطعاً برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ صرف ایک دو روپوں کی خاطر وہ اپنے بظاہر دوست کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ معمولی معمولی باتوں پر بیٹا ماں کو بھائی بہن کو اور دوست دوست کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اس طرح اپنے نفس کی آزادی کے حصول کی خاطر بھاری قیمت ادا کر رہا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ دور کا انسان اب پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے اپنے نفس میں قید ہو گیا ہے تو اس کو کسی قسم کی آزادی سے تعبیر کرنا میرے نزدیک صحیح آزادی کے مفہوم کی توہین ہے اس لیے کہ صحیح آزادی وہ ہے جس میں واقعی انفرادی، جسمانی، فکری اور نفسیاتی آزادی کا حصول ہو اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی اصلاح کا پہلو بھی پیدا ہوتا ہو لیکن یہاں تو اب دونوں انداز میں معاملہ بالکل الٹا ہی نظر آتا ہے۔ آپ خود ہی ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا صحیح آزادی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انسان کو اس کے ذریعہ سے ضروری جسمانی اور ذہنی سکون نصیب ہو اور وہ نسبتاً خوشی کے ماحول میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت گذار سکے۔ کیا موجودہ مغربی فکر نے انسان کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے یا اس سے یہ سب کچھ اس کی بدولت چھین لیا گیا ہے۔ اگر آپ حقیقت کی تہ کو پہنچنا چاہتے ہوں تو ماہرین اعداد و شمار کی خدمات حاصل کیجئے وہ آپ کو بتائیں گے کہ دنیا میں آج پہلے کی نسبت کتنی زیادہ بڑھتی ہوئی مقدار میں مغرب کے لوگ خصوصاً اور دوسرے عموماً نشہ آور گولیاں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے استعمال کر کے خود کو نیم بے ہوشی کے عالم میں رکھنے پر مجبور ہیں تاکہ مادی تفکرات ان کی زندگی کو مزید اجیرن نہ بنا سکیں۔ ان گولیوں کو انگریزی زبان میں SEDATIVES اور TRA-NQUILISERS کہا جاتا ہے اور پہلے کی نسبت اب دماغی امراض کے ہسپتالوں میں ذہنی مریضوں کی تعداد ان ملکوں میں کس قدر بڑھ گئی ہے جو اپنے اخلاقی اور مذہبی تقاضوں کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ شاید آپ پر میری بات کا خاطر خواہ اثر نہ ہو اس لیے آپ خود ہی ان ماہرین اعداد و شمار سے اس ضمن میں دریافت کر لیں کہ ان بھیانک حد تک بڑھتے ہوئے اعداد و شمار کی گوناگوں اہمیت کیا ہے اور یہ کس بات کی نشاندہی کر رہی ہے اور اس طرح آپ

Marfat.com

خود کو مطمئن کر لیجیے۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغربی فکر

انسان کی تہذیب کے نام پر خود فریبی نے ہماری دینی اساس پر گہری ضرب لگائی ہے ہم تہذیب اور جدید دور کے نام پر اس کے فریب میں پھنس گئے کیوں کہ ہمیں اپنے دینی حقائق پر خاطر خواہ عبور حاصل نہ تھا۔ جہاں تک مغربی تہذیب کا تعلق ہے اس کا ذکر و تجزیہ کافی حد تک اس کتاب میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک جدید دور کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اس نام کی کوئی چیز معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ اپنے لیے جدید دور کے الفاظ مخصوص کر لینا خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں یہ کوئی ایسا خوبصورت پر نہیں جو صرف ہم ہی اپنی ٹوپی میں سجا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہر دور کا انسان اپنے دور میں جدید ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم جدید ہونے پر فخر محسوس کر سکتے ہیں تو ایسا ہر دور کا انسان جب سے کہ دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے کر سکتا ہے تو پھر یہ شیخی اور گھمنڈ کیسا۔ ہمارے بہت سے مسلمان جہاں جدید یا ماڈرن ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہاں وہ اسلام سے وابستگی کا دم بھی بھرتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنے تقاضوں کے تحت اسلام کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے تاکہ اسلام ان کے لیے قابلِ قبول اور پسندیدہ ہو چنانچہ انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام میں "سود" گناہ ہے تو انہوں نے سود کے لفظ کو بدل کر اس کی جگہ "منافع" کا لفظ لگا دیا اور اپنی کوتاہ نظری سے سمجھا کہ معاملہ اب درست ہو گیا۔ اس قسم کے حربوں سے انسان انسان کو تو شاید مطمئن کر سکتا ہو لیکن انسان اللہ پاک کو تو کسی بہلانے یا انداز میں دھوکہ نہیں دے سکتا کیوں کہ اس کے نزدیک نہ جدید ہونا قابلِ فخر ہے نہ قدیم ہونا قابلِ شرم یا مذمت۔ خود باری تعالیٰ کی ذات عالی شان سب سے قدیم ہے اتنی قدیم کہ اس کی انتہا نہیں اور قانونِ قدرت بھی بے انتہا قدیم۔ کیا آج کے انسان کو شروع کے دور کے انسان کی طرح بھوک نہیں لگتی، پیاس نہیں لگتی۔ کیا پہلے کے انسان کو سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت تھی لیکن جدید انسان کو اب سانس کے لیے آکسیجن کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ کاربن ڈائی اکسائڈ نے آکسیجن کی جگہ لے لی ہے۔ یاد رکھیں کہ آج بھی انسان کے جسم کی نشو و نما کے لیے ان ہی چیزوں کی پابندی لازمی ہے جو آج سے ہزاروں لاکھوں برس پہلے کے انسان کو تھی اور اس کے جذبات و احساسات اور فکر بھی آج کے انسان ہی کی طرح اس کا احاطہ کئے ہوئے تھی لہٰذا ہم اگر جدید ہیں تو اتنے ہی قدیم بھی ہیں۔ ہم اپنے قدیم ہونے سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے کی سعی کرنا ایک بہت بڑی

Marfat.com

خود فریبی کے مترادف ہے جس سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ہم دین کو کس انداز میں لچکدار اور جدید بنانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اللہ پاک اب بھی وہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی ہیں۔ قرآن مجید بھی وہی ہے اور اللہ تعالےٰ کے احکامات بھی وہی ہیں۔ ان سب میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئی اس لیے یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنے دین کو اپنی خواہشات اور تقاضوں کے تابع کر کے ان کی خدمت وحصول کے لیے ڈھالنا چاہتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم اپنی فکر کی گمراہی کے اندھیرے میں بری طرح بھٹک رہے ہیں لیکن اگر ہم خود کو اللہ پاک کے تابع رکھنا چاہتے ہیں اور اُس کو سجدہ کرنا اپنا فرضِ اولیں سمجھتے ہیں تو ہمیں اپنی فکر کے اس واضح تضاد کو ختم کر کے سجدہ اس طرح کرنا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ اسے اللہ میں تمام تر اپنی جسمانی اور ذہنی کیفیت کے ساتھ تیرے حضور جھک گیا، سرِ تسلیم مکمل طور پر خم کر دیا اور تیرے صادر کئے ہوئے احکامات کی پابندی اپنے اوپر لازم کی اور اپنے قول وفعل کے تضاد کو ختم کیا۔ دین کے ساتھ اس سے زیادہ مذاق اور زیادتی کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی اللہ پر ایمان رکھنے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔ کبھی کبھی اللہ کو سجدہ بھی کرے لیکن اپنی روزمرہ کی زندگی میں اگر شراب پی لے یا جوا کھیل لے یا رشوت لے لے یا کسی کو دھوکہ دے کر اس کے مال ودولت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھے۔ ایسا شخص نہ صرف ان گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ وہ اس طرح غلط اثر پھیلا کر اسلامی معاشرہ کے تصور کو بگاڑنے کا سبب بھی بنتا ہے اور جو شخص اللہ کے دین کو بگاڑنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کرے یا اس کی مخالفت کرے تو وہ اللہ اور اس کے دین کے دشمن کے سوا اور کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی مصلحتوں کو تسلیم نہیں کرتا وہ ہماری طرح اصولوں سے سمجھوتہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ ہماری طرح بے بسی ولاچاری کی حالت میں دوسروں سے بعض مفادات حاصل کرنے کے لیے خوشامد وچاپلوسی کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے۔ دو ٹوک حکم دینا جانتا ہے اور اسی شدت سے حکم کی تکمیل کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک کا اپنے حکم منوانے کا اس شدت سے تقاضے کا انداز بعضوں کو ناگوار ہو۔ ہو سکتا ہے بعض تہذیب کا سہارا لے کر احتجاج کرنا چاہیں۔ یہ تو اللہ جل شانہٗ کی طاقت کا معاملہ ہے۔ انسانی طاقت جو اس کی طاقت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ وہ ہی آپے میں نہیں

رہتی۔ اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں اٹیم بم کے ذریعے اپنا مظاہرہ کر کے تہذیب کا جنازہ نکال دیا تھا اور آج تک جتنے اٹیم اور ہائیڈروجن بم بنے ہیں وہ سب اس بات کا ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ آئندہ کے میدانِ جنگ انسانی دوندگی اور وحشی پن کی علامت ہوں گے اور انسان کی خود ساختہ تہذیب کی دھجیاں اڑتی نظر آئیں گی۔ ہم نے صرف دنیاوی وسائل کی دستیابی اور فراوانی کو ہی اللہ کے فضل سے منسوب کیا ہے۔ ہم یہ بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ دنیاوی وسائل کن طریقوں سے حاصل کرتے ہیں وہ حلال ہیں یا حرام۔ ہم یہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتے کہ اللہ پاک واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ جو دنیا کی زندگی اور اس کے مال و دولت کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے وہ سراسر خسارے میں ہے اسی طرح ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو مسلمان اس دنیا میں بظاہر کسی دکھ یا تکلیف سے دوچار ہوتا ہے تو وہ صرف اپنے گناہوں ہی کی پاداش میں گرفت میں آتا ہے اور یہ ہمارے ذہن میں نہیں آتا کہ اللہ اپنے مومن بندے کو ضرور آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اس کا امتحان لیتا ہے اور جو امتحانات میں پاس ہوتا جاتا ہے اس کے درجے بلند کرتا جاتا ہے کیوں کہ خود ارشاد ربانی ہے کہ یہ تم نے کیسے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے۔ ابھی تو اللہ نے تمہیں آزمایا ہی نہیں۔ اس نے تو اس طرح تم سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا اور اگر ہم انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا اس پہلو سے جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ پاک نے جس اعلیٰ ترین درجے پر انہیں فائز کیا اسی کے مطابق انہوں نے اس دنیا میں بظاہر جسمانی تکالیف اور صعوبتیں جھیلیں اور برداشت کیں اس لیے اللہ سے لگاؤ رکھنے والا اس کا بندہ دنیا کے دکھ درد سے نہیں گھبراتا خندہ پیشانی سے اسے برداشت کرتا اور صبر کرتا ہے اور جو مسلمان اللہ کے فضل و کرم کو ماپنے کا پیمانہ صرف اسی دنیا کے مال و دولت اور عیش و آرام کو ہی سمجھتے ہیں اور صرف اسی کے لیے زیادہ ترسعی کرتے ہیں وہ سراسر غلط فہمی کا شکار ہیں۔

دین میں صحیح مسلمان کا تصور

مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی کیفیت تو یہی ہے کہ ان کا اللہ پر ایمان مکمل اس طرح ہو کہ وہ قرآن مجید کی تمام آیات کی اہمیت کا برابر کا احساس رکھیں یہ نہ ہو کہ ایک خاص آیت مبارکہ پر تمام زور صرف کریں لیکن دوسری کو سرے سے نظر انداز ہی کرتے رہیں۔ وہ آپس میں دینی بھائی بن جائیں اور آپس میں تفرقہ ہرگز نہ کریں بلکہ سورۃ البقرہ کی آیت مبارکہ نمبر ۱۷۷ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر اپنے سچے اور حقیقی مسلمان ہونے کا عملی نمونہ پیش کریں۔ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے " بھلائی یہ نہیں

Marfat.com

کہ نماز پڑھتے وقت تم منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ بھلائی اس شخص کو ہے جو ایمان لایا اللہ پر۔ یوم آخرت پر، فرشتوں پر۔ کتاب (قرآن) پر اور پیغمبروں پر اور اس نے اپنا مال اس (اللہ) کی محبت میں دیا۔ اپنے قرابت والوں کو، یتیموں کو۔ فقیروں کو۔ مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو۔ اور زیج گردنیں چھڑانے میں یعنی غلام آزاد کرانے میں مال دیا) اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور یہ پورا کرنے والے ہیں وعدہ کو جب کہ وعدہ کریں اور سختیوں میں تکلیفوں میں اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو سچ بولتے ہیں اور یہی لوگ ہیں پرہیز گار"

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ جل شانہ' نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ مسلمان کے خواص کیا ہونے چاہئیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان کے لیے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں ہے کہ وہ نماز کے عمل میں صرف یہی دیکھے کہ اس کا منہ کس طرف ہے مغرب کی طرف ہے کہیں مشرق کی طرف تو نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل یہ بات ہے کہ اس کا ایمان اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، قرآن پر اور رسولوں پر کس قسم کا ہے۔ خلوص اور دل کی گہرائیوں سے ہے یا نہیں اور کیا وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے اپنا مال و دولت اللہ کی راہ میں اپنے مستحق قرابت والوں پر۔ یتیموں پر۔ فقیروں پر۔ مسافروں پر۔ سوال کرنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کرتا ہے اور نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کو کس انداز سے ادا کرتا ہے۔ خدا کی محبت کی وجہ سے یا پھر خدا کے ڈر سے اللہ پاک اس کسوٹی پر مسلمان کی عملی زندگی کے ذریعے اس کے ایمان کو پرکھنا ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمانا ہے کہ جس مسلمان کی عملی زندگی ایسی ہوگی وہ اپنے وعدہ کا پکا ہوگا۔ جھوٹا وعدہ کبھی نہیں کریگا۔ وہ مصیبت و آلام میں کبھی نہیں گھبرائے گا اور صبر کرنے والا ہوگا اور پرہیز گار ہوگا۔ یہ سب نشانیاں ہیں اس عملی زندگی کی جس سے مسلمان پہچانا جائے گا کہ اس کی ایمانی کیفیت کیسی ہے۔ اس کی نیت کیسی ہے اور وہ اللہ کی عبادت کس انداز میں کرتا ہے لہٰذا ہم مسلمانوں کو چاہئیے کہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف پوری توجہ کے ساتھ رجوع کریں۔ اس کے تقاضے کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو عملی طور پر ڈھالیں۔

اگر اس لحاظ سے ہم اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیں تو افسوس کے ساتھ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اکثر مسلمانوں کی کیفیت کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ایک دوسرے کو اپنا دینی بھائی تصور نہیں کرتے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دینی بھائی کی حیثیت سے شریک نہیں ہوتے

اور اللہ کی راہ پر اپنا مال اس انداز میں خرچ نہیں کرتے جس کا کہ تقاضا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ان میں سے بعضوں کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے قرب و جوار میں کون کون رہتا ہے۔ ان میں سے یتیم کون ہیں، بیوہ کون ہیں، نادار اور مستحق کون ہے۔ وہ تو اپنے عزیز و اقارب کے مالی حالات سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں۔ چاہے وہ بے چارے عزیز و اقارب اپنی مالی پریشانیوں کے بوجھ تلے پسے جا رہے ہوں وہ تو اپنا سکون اسی بات سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اچھے سے اچھا کھائیں، اچھے سے اچھا پہنیں، ان کے پاس کوٹھی ہو، کار ہو، ٹیلی ویژن ہو اور ریفریجریٹر ہو۔ ان کی دوستی اور تعلقات اپنے سے مالی طور پر بہتر لوگوں سے ہوں وہ اپنے غریب اور پسماندہ عزیز و اقارب سے ملنے سے گھبراتے ہیں، شرماتے ہیں، جھجک محسوس کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ نفسیاتی طور پر اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں جسے کہ احساس کمتری کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی سوسائٹی میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ ان کا سوسائٹی میں نہایت اونچا مقام ہے۔ ان کا کسی غریب، مسکین، یتیم اور بیوہ سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ ان کا بدقسمتی سے کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، پھر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو مسلمان بھائی مسجدوں میں باقاعدگی سے نماز پڑھنے آتے ہیں اگرچہ وہ بظاہر بہتر درجہ کے مسلمان ہوتے ہیں لیکن وہ مسجد میں خاموشی کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دینی بھائی کے جذبے و احساس سے نہیں ملتے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کی بوقتِ ضرورت جائز مدد کے لیے آگے نہیں بڑھتے اور اس سب کچھ ہونے کے باوجود قرآن پاک کی وہ آیت مبارکہ پر مکمل ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں چاہے ان کا عمل ان آیات کی اعلانیہ خلاف ورزی کر رہا ہو۔ وہ ٹس سے مس ہوتے نظر نہیں آتے۔ وہ اسلام کا وہ عملی نمونہ اپنی زندگی سے پیش نہیں کرتے جس کو دیکھ کر عام مسلمان جو دوسرے اور تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں خاطر خواہ طور پر متاثر ہوں اور اپنے دین کی طرف رجوع کرنے کی مناسب رغبت محسوس کریں اور کم و بیش یہی حال ہماری اسلامی تبلیغی جماعتوں کا ہے جو مسلمانوں سے صرف اس حد تک تقاضا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ نماز ضرور پڑھیں لیکن وہ ان کے ذہنوں تک رسائی حاصل کر کے ان کے سوالوں کا کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھتیں جو ان مسلمانوں کے ذہنوں پر اثر پذیر ہوتے ہیں اور ان کو نماز پڑھنے سے روک رہے ہوتے ہیں تاکہ وہ مسلمان ذہنی طور پر مطمئن ہو کر نماز کی طرف اور اپنے دین کی طرف پورے خلوص و اعتماد کے ساتھ راغب ہوں۔

Marfat.com

ہمارے دینی اختلافات

اب آپ کی خدمت میں کچھ دینی اختلافات کے سلسلہ میں عرض کرتا ہوں جہاں اس کتاب کے لکھنے کا مقصد مسلمان بھائیوں کے لیے ہماری اسلامی کیفیت کا اپنی دانست کے مطابق تجزیہ کرنا ہے تاکہ میرے مسلمان بھائی اپنے دین کے تقاضے سے بہتر طور پر روشناس ہوسکیں وہاں یہ مقصد بھی ہے کہ ان کے دینی اختلافات کی شدت کو کم کرنے کی سعی کی جائے تاکہ وہ آپس میں تفرقہ کے رجحان سے بچ سکیں۔ ان میں صحیح اسلامی اخوت کا جذبہ پیدا ہو، مکمل اتحاد ہو اور اپنے دین کی خدمت کے جذبہ پر پورا اعتماد بھی ہو کیوں کہ جب تک مسلمان اپنے اندر دینی اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے اور ایک ہو کر اسلام پر اغیار کے حملوں کا مقابلہ نہیں کریں گے اس وقت تک وہ نوجوان ذہن کو غیر اسلامی پراپیگنڈے کے اثر سے نہ بچا سکیں گے۔ ایسی صورت حال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے علمائے دین اور دینی بھائی تو اپنے اختلافات کی وجہ سے الجھے رہیں گے۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہ ہوگا کہ وہ اغیار کے ناپاک عزائم اور منصوبوں کی طرف مناسب توجہ دے سکیں اور مسلمان نوجوانوں کو ان کے زہریلے اثرات سے بچا سکیں اور اس طرح اسلام کا بول بالا حاصل کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھا سکیں۔ میں یہاں نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں پر پوری طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ چاہیں تو اپنے دینی اختلافات میں شدت پیدا کرتے ہوئے ان کو اس انتہا تک نہ لے جائیں کہ آپس میں آپ تفرقہ کریں اور اس طرح قرآن پاک کی متعلقہ آیت مبارکہ کی خلاف ورزی کرنے کے ظاہرہ موجب بنیں۔ اس سے اگر کچھ نمودار ہوگا تو صرف یہ ہوگا کہ دشمنان اسلام کامیاب ہوں گے اور آپ دین کے زوال کا باعث بنیں گے لہٰذا اگر آپ اپنے دین کی تھوڑی سی خدمت کرنے کی بھی کوئی تمنا رکھتے ہیں تو وہ صرف اسی حالت میں ہوسکے گی کہ آپ سب اپنی صفوں میں مکمل فکر و عمل کا اتحاد و یگانگت پیدا کریں اور اغیار کے لیے حقیقت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند بن جائیں۔

میں اس مقام پر ایک بار پھر اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ سے نہایت عجز و انکساری سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اپنے تمام تر فضل و کرم کی بدولت صحیح ہدایت و رہنمائی فرمائے۔ تاکہ میں اپنے دینی بھائیوں کے اختلافات کو کم کرسکوں اور اسی طرح ان میں تفرقہ کی بجائے مکمل اتحاد و یگانگت کی کیفیت پیدا ہو سکے۔

سب سے پہلے میں اپنے دینی بھائیوں سے
اللہ کے معاملات انسانی شعور سے باہر ہیں گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے شک و شبہات کی بجائے خلوص کا جذبہ پیدا کریں۔ وہ یہ نہ بھولیں کہ ہر مسلمان اپنے فہم اور دینی و روحانی بصیرت کے مطابق ہی سوچ سکتا ہے اور دینی و روحانی معاملات کا ادراک و مشاہدہ کر سکتا ہے اور اس سے زیادہ سمجھنا اس کے شعور، بساط اور توفیق سے باہر ہوتا ہے اس لیے ہر مسلمان اپنے جس رنگ میں رنگا ہوتا ہے وہ اسی کو دیکھتا ہے۔ اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ صرف اسی کو اہمیت دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسرے کی بات اور معاملات اس کو سمجھ آ سکیں اس لیے یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کا مقام و معاملہ ہر دوسرے کی سمجھ میں آسکے اور اس بات کی وضاحت یہ مثال دے کر دی جا سکتی ہے کہ اللہ پاک کا جو خصوصی حساب و معاملہ حضرت خضر علیہ اسلام سے تھا۔ وہ چونکہ موسیٰ علیہ اسلام کی سمجھ و علم سے بظاہر باہر تھا اس لیے انہوں نے تین مختلف مقامات پر حضرت خضر علیہ اسلام پر اعتراض کیا اور انہیں ٹوکا حالانکہ حضرت خضر علیہ اسلام بظاہر صحیح تھے اور اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے ہمیں اس سے مناسب سبق لینا چاہیئے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو شخص محض اپنی عقل و فہم کی بساط پر اپنے دین کو سمجھنے اور دین کی منزل کو طے کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس منزل پر زیادہ دور تک نہ جا سکے اور بھٹک جائے کیونکہ احتمال ہے کہ وہ یہ سب کوشش اللہ پاک سے بے نیاز ہو کر ہی کر رہا ہو اور اسے اللہ کی ضروری ہدایت، نصرت و توفیق حاصل نہ ہو یا اگر حاصل ہو تو بہت کم ہو۔ ایسے شخص کا تمام علم اور تمام عبادت اس شخص کی دینی و روحانی کیفیت کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی حقیقت و وقعت نہیں رکھتی جس پر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہو اس پر انعامات کی بارش ہو رہی ہو۔ اس پر سے غیب کے پردے اٹھ رہے ہوں اور اسرار الٰہی کھل رہے ہوں اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ادراک انسانی عقل نہیں کر سکتی اور اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ اسلام بظاہر آگ کی طرف اسے حاصل کرنے کے لیے رات کے وقت جنگل میں بڑھ رہے ہیں اور آگ کے بہانے ان کو نبوت کے اعلیٰ ترین مقام سے نوازا جاتا ہے اور کسی کی لکنت کا بہانہ بنا کر ہارون علیہ اسلام کو بھی نبوت عطا کر دی جاتی ہے۔ یہ ہے اللہ کی دین اور اللہ کا فضل۔ جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے اور جس پر جتنا چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ انسان کا تمام

Marfat.com

علم اور تمام عمر کی عبادت اللہ پاک کے ادنیٰ سے فضل کے آگے بالکل ہیچ ہے اور بے وقعت ہے کیوں کہ متذکرہ انسانی علم و عبادت کی اساس صرف اس کی عقل پہ ہے جو محدود ہے، ناقص ہے۔ اسرار الٰہی کا شعور حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور ہارون علیہ اسلام کو نبوت اس لیے عطا کی گئی تاکہ فرعون اللہ پر ایمان لائے جو کہ نہ ہوا اور وہ کافر ہی کی موت مرا۔ آخر پھر ایسا کیوں ہوا۔ یہ وہ اسرار الٰہیہ ہیں جن کا جواب عقل نہیں دے سکتی چاہے کوئی اس کے بال ہی کیوں نہ نوچ ڈالے اور اللہ کے فضل کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ چاہتا ہے خود ہی معلم بھی بن جاتا ہے، مشاہدات کراتا ہے اپنی آیات کے معنی بھی سمجھاتا ہے اور جسے چاہے تو اپنا رسول بنا لیتا ہے جسے چاہے اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جسے چاہے اپنا دوست بنا لیتا ہے اور اللہ کے یہ بندے اپنے اپنے مقام کے مطابق اللہ کی آیات (نشانیوں) کو سمجھتے ہیں اور ان کو بیان کرتے ہیں اور جس کو توفیق حاصل نہیں ہوتی ان کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور یہ پردے بڑھ کر جب اپنی انتہا کو پہنچتے ہیں تو ابوجہل یا ابولہب کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

اللہ کا برگزیدہ بندہ جھوٹ نہیں بول سکتا

اس لیے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی کوئی بات یا کوئی وضاحت کسی کی اپنی سمجھ یا اپنے حال کے مطابق اسے نظر نہ آتی ہو تو اس کو فوراً قطعی انداز میں رد نہ کرنا چاہیے بلکہ یہ بات ہر وقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ کا بندہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا کیوں کہ دین کے راستہ کا سب سے پہلا تقاضا یہی ہے۔ اس لیے جب اللہ کا پیغمبر یا ولی کوئی بات کہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنے جذبات کی شدت کے تحت عجلت میں کفر و شرک کے فوری فتوے جاری نہ کر دینے چاہئیں کیوں کہ اگر ایک مسلمان جو چاہے کسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہو اگر اس کا اللہ پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، قرآن پر، یوم آخرت پر ایمان مکمل ہے اور وہ اللہ کے دین پر نیک نیتی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور شرک سے جو کہ گناہ کبیرہ میں سے سرفہرست ہے اس سے بچنے کی اپنی حتی القدور کوشش بھی جاری رکھتا ہے تو اس پر مشرک ہونے کا فتویٰ کیسے جاری کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ہر عمل سے زیادہ اہمیت اس عمل کی نیت کو ہے جس نیت کے تحت وہ عمل کیا جاتا ہے اور کسی شخص کی نیت کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بظاہر ہر مسلمان جو دین کی خدمت اور معاشرہ کو اسلامی رنگ دینے کے لیے کوشاں ہے وہ نیک نیت ہے اور اس کے اعمال بھی صالح ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ چوں کہ ہر مسلمان کی اپنی اپنی دانست و بصیرت

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اپنا اپنا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آیات اللہ کے نئے نئے معنی کھلتے ہیں اس لیے اگر کسی کی کیفیت اور بیان سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بات کو اس وقت تک ماننے سے انکار کیا جائے جب تک کہ وہ سمجھ میں نہ آئے اور مکمل طور پر اطمینان نہ ہو جائے لیکن شرک قسم کے فتوے صادر کر دینے کا کسی طرح جواز نہیں بننا چاہیے اور ایسا کرنے سے اس وجہ سے بھی ڈرنا چاہیے کہ انہی باتوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یوم آخرت مقرر کیا ہے۔ جس دن وہ خود ہی یہ فیصلہ صادر کرے گا کہ لوگوں نے اپنی زندگی میں جو جو اعمال کئے وہ کس نوعیت کے تھے اور ان کے مطابق اللہ خود ہر ایک کے اعمال کا فیصلہ سنا دے گا اور جو شخص اللہ کے ذاتی اختیارات کو اپنی طرف منسوب کر کے روزِ آخرت کا انتظار کئے بغیر خود ہی بلا تامل جذبات کی شدت کے تحت عجلت میں کسی کے اعمال کو شرک قرار دے دے تو ڈر محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شخص خود اپنے فعل کی وجہ سے اللہ کا شریک ہونے کا دانستہ یا نادانستہ طور پر مرتکب نہ ہو رہا ہو اور یہ وہ کیفیت ہے جس سے ہر مسلمان کو ہر حالت میں بچنے کے لیے ہر ممکن سعی کرنا چاہیے اور اللہ پاک کے معاملات کو رب العزت کے حساب سے ہی دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس سے ڈرتے ہوئے ہر طرح کی سرکشی سے بچنا چاہیے۔ کسی کو اپنی تند و تیز زبان سے کافر یا مشرک کہہ دینا تو آسان ہے لیکن بعد میں ایسے معاملہ میں اللہ سے نمٹنا نہایت مشکل ہے۔ اگر مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کفر و شرک کے فتوے دے کر روزِ قیامت کا تمام کام خود ہی ابھی ختم کر دیا تو (نعوذ باللہ) کیا اللہ جل شانہٗ روزِ محشر محض تکلف کے طور پر ہی قائم کریں گے۔ کلی اختیارات تو قادرِ مطلق ہی کی ذات کو ہیں۔ اور اسی ہی کو زیب دیتا ہے کہ جانے کہ کس کے اعمال کیسے ہیں اور کیسے نہیں ہیں اور کون شرک کرتا ہے یا کون نہیں۔

میں نہایت عاجزی کے ساتھ صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ ایسے فتوؤں کے صادر کرنے سے یہ ڈر محسوس ہونے لگتا ہے کہ کہیں ان میں شرک کی کیفیت نہ پائی جاتی ہو۔

البتہ شرک کی ایک کیفیت ایسی ہے جس سے سب مسلمانوں کو ڈرنا اور بچنا چاہیے سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں بعض وہ ہے جو سوا اللہ کے شریک پکڑتا ہے۔ اور ان سے محبت اس

Marfat.com

طرح کرتا ہے۔ جیسی کہ خدا سے محبت دکرنی چاہیئے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ اللہ سے محبت کرنے میں زیادہ ہیں (یعنی اُسے ہر شئے سے زیادہ محبت کرتے ہیں) اور کاش اس بات کو جان لیں وہ لوگ کہ وہ ظالم ہیں (یعنی وہ لوگ جو محبت میں اللہ کے سوا شریک پکڑتے ہیں) جب یہ دیکھیں گے عذاب کہ یہ ساری قوت واسطے اللہ کے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔" شرک کے فتوے لگانے والوں کو شرک کے مندرجہ بالا خطرہ کو محسوس کرنا چاہیئے اور مسلمانوں کو اس سے بچانے کی سعی کرنی چاہیئے کیونکہ آج کل تقریباً ہر مسلمان اپنے مال اور اولاد سے محبت اس محبت سے کہیں زیادہ کرتا ہے جو وہ اپنے اللہ پاک سے کرتا ہے اور زیادہ تعداد تو ایسے مسلمانوں کی معلوم ہوتی ہے جو یہ جانتے نہیں کہ اللہ پاک اپنے بندوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس سے محبت کریں اور یہ کہ بندے اللہ پاک سے محبت بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا تو یہ حال ہے کہ جس وقت انہیں اپنے مال اور اولاد کی فکر یا محبت لاحق ہوتی ہے تو ان میں اکثر اللہ کو اس وقت بالکل بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔

اللہ کی نشانیوں پر ایمان لانا لازم ہے

قرآن مجید کو قرآن حکیم اس لئے کہتے ہیں کہ جہاں اس کی آیات مسلمان سیکھتا ہے وہاں اس سے حکمت بھی سیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وہ (رسول) پڑھتا ہے آیات ہماری تمہارے اوپر اور تم کو پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت" قرآن پاک اللہ پاک کا کلام ہے۔ لہٰذا یہ کتاب سب کتابوں سے اعلیٰ ہے سب کتابوں سے آسان ہے اور سب کتابوں سے مشکل بھی۔ آسان ترین اس لئے کہ عام معمولی پڑھا لکھا مسلمان اگر اس کو پڑھے تو اس سے فیضیاب ہو اور ثواب حاصل کرے اپنی زندگی کو مزین کرے اور مشکل ترین اس لئے کہ اگر عالم اس کو پڑھ کر اس میں تحقیق کرنی چاہے تو اس کی گہرائیوں اور بلندیوں کو نہ پا سکے۔ اس پر اس کی آیات کے نئے نئے معانی کھلتے جائیں اور وہ اس میں اللہ کی حکمتوں کا احاطہ نہ کر سکے اور صرف اتنا ہی سمجھ سکے جتنی کہ اُسے اللہ کی طرف سے توفیق عطا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے کا تقاضا بندے کو اپنی آیات (نشانیاں) دکھا کر کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ میری نشانیوں کو دیکھو ان کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس طرح اسے پہچان کر اللہ پر ایمان لاؤ۔ سورہ مومن میں ارشاد ہے "اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں اپنی۔ پس اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے" جو اللہ کی

Marfat.com

نشانیوں کو دیکھ کر سمجھ جائے وہ کیونکہ ان کا انکار کرے گا۔ لیکن اللہ کی آیات کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے اللہ کی طرف سے مناسب بصیرت اور عقل سلیم عطا ہونی ضروری ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سورہ انفعال میں کیوں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا کہ "اے ایمان والو۔ اللہ کا کہا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو۔ اور تم سن لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم نے (آیات) کو سن لیا۔ حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے" اس سے یہ واضح ہوا کہ یہ لوگ اپنے تئیں مطمئن ہوتے ہیں کہ انہوں نے آیات اللہ کو سن لیا ہے اور پوری طرح سمجھ بھی لیا ہے۔ لیکن دراصل وہ سنتے سناتے کچھ نہیں اور ایسے لوگوں کو اللہ نے بہرے اور گونگے کہا ہے۔ ایک اور جگہ تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ یہ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں پس لوٹ کر واپس نہیں آتے۔

یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ کی کتاب کو سیکھنا اور اس کی حکمت کا سیکھنا اور اس پر عبور حاصل کر کے اسے دوسروں کے لئے بیان کرنا محض اللہ تعالیٰ کی اپنی توفیق دینے د عطا پر موقوف ہے۔ اس نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمتہ اللہ علیہم کو مختلف انعامات سے نوازا ہے۔ جیسے کہ سورہ فاتحہ میں فرمایا ہے کہ اے اللہ ہمیں ان بزرگ ہستیوں کی راہ دکھا کہ جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف مشاہدات کرائے جو اس کی نشانیوں (آیات) کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر بلایا تو اس کا مقصد یہ بتایا کہ "ہم اس کو (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو) اپنی نشانیاں دکھائیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کی ان نشانیوں کو دیکھنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زندگی کی لہٰذا معراج قرار پایا۔ اللہ اللہ یہ نشانیاں کیا تھیں۔ جنہیں باقی تمام مسلمانوں سے صیغۂ راز میں رکھا گیا اور وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھنے کا انعام حاصل کرنے کے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مستحق و متحمل تھے۔ ان نشانیوں کو اگر عام مسلمانوں کے لئے بیان کر دیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی محدود بصیرت کے تحت ان کا صحیح شعور حاصل نہ کر سکتے۔ اللہ پاک کی حکمت کی باتیں جس وقت انسانی عقل کے احاطہ سے باہر ہو جاتی ہیں تو خدشہ ہوتا ہے کہ اگر عقل پر زیادہ انحصار کیا جائے تو اس پر مزید پردے پڑ جائیں اور وہ بھٹک کر گمراہی کی تاریکیوں پر گامزن ہو جائے اور اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اللہ پاک نے اپنی حکمت کے تحت

Marfat.com

قرآن پاک میں معراج شریف کا واقعہ صرف چند لفظوں میں اشارۃً بیان فرمانا ہی مناسب و موزوں سمجھا، لگتا ہے اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر کوئی زیادہ روشنی نہیں ڈالی اور نہ ہی اصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفصیل جاننے کے لئے کوئی اصرار یا خواہش ظاہر کی ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہم ان سب نشانیوں پر غور و فکر کر کے اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اگر اللہ پاک معراج کی مزید تفصیل کو کسی وجہ سے مخفی رکھنا چاہتا ہے تو ہم اُس کے بندے ہونے کی حیثیت سے مقام بندگی پر رہتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیتے اور معراج کے واقعہ کو اپنی تحقیق کا موضوع نہ بناتے۔ کیونکہ ہماری تخلیق کا واحد مقصد تو یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کی عبادت کریں نہ کہ خود سر ہو کر اپنی تحقیق کے ذریعے اُس کے مخفی رازوں کو پا کر انہیں افشا کرنے کی کوشش کریں۔

البتہ جو اپنے راز اللہ پاک خود اپنے کسی بندہ پر منکشف کرے۔ تو یہ عین خوش قسمتی ہے اور اُس کی سراسر عنایت۔ لیکن جو خود سر ہو کر اُس کے رازوں کو سمجھنے کی اپنے تئیں کوشش کریگا اُس کی عقل پر پردہ پڑ جائے گا اور وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر گمراہ ہو جائے گا۔ اللہ پاک تو اپنے بندہ سے کہتا ہے کہ سجدہ کر اور (میرے) قریب ہو جا۔ قربِ الٰہی کا راز سجدہ کی کیفیت میں پنہاں ہے اور سجدہ یہ ہے کہ بندہ جسمانی ذہنی اور عقلی ہر لحاظ سے اپنے اللہ کے آگے جُھک جائے۔ سر تسلیم خم کر دے۔ اپنی ہر جسمانی و نفسیاتی خواہش و تقاضے کو اُس کے احکامات کے تابع کر دے سجدہ میں جو بندہ جتنا جھکتا چلا جائے گا۔ وہ اُتنا ہی زیادہ اپنے اللہ کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔ اور قرآن پاک میں آیاتِ مبارکہ پر جو غور و فکر کرنے کو کہا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس اپنے محدود فہم و بصیرت کے مطابق جو آیات کا مطلب چاہے نکال لے۔ بلکہ اس دعوتِ فکر میں تنبیہہ کا پہلو زیادہ نکلتا ہے کہ لوگو! ان آیات کو غور سے دیکھو۔ ان کو گہری نظر سے پڑھو۔ ان کو اچھی طرح سوچو اور دل کی گہرائیوں سے ان آیات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔

محفلِ میلادالنبیؐ بیانِ نعمت ہے

اب دین میں چند اہم اختلافی مسئلوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو کہ مسلمانوں میں ضروری دینی بھائی چارہ پیدا ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور تفرقہ کا سبب ہیں۔ ان میں ایک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ میلاد کا منعقد کرنا ہے۔ بعض مسلمان ان محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وصال تک کے تمام حالاتِ مطہر کا بیان کرنا اپنے

Marfat.com

لئے فرض و سعادت محسوس کرتے ہیں ۔ نعت خوانی کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور بعض صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دور کی سیرت پاک بیان کرنے کے لئے جلسے کرتے ہیں ۔ کیونکہ ان مؤخر الذکر مسلمانوں کے فکر کے مطابق محفل میلاد منعقد کرنا بدعت اس وجہ سے ہے کیونکہ ان کے مطابق اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور نبوت سے پہلے کی اسوۂ حسنہ کا ذکر ضروری ہوتا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین بھی ایسی محفلیں ضرور منعقد کرتے ۔ بظاہر یہ اعتراض بڑا وزنی اور مدلل معلوم ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس کا تجزیہ کرنا ضروری ہے ۔ پیشتر کہ اس ضمن میں کچھ عرض کیا جائے ۔ ذہن کے پس منظر میں یہ بات رکھ لینی چاہیئے کہ اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ہمارے لئے سب سے زیادہ واجب الاحترام و عقیدت اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ذاتِ اقدس ہے اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے سرِ فہرست ہم پر احکامِ خداوندی کی اطاعت لازم اور واجب ہے ۔ دوسرے درجہ پر احادیث نبوی اور سیرتِ پاک ہے ۔ لیکن یہ صرف اُن معاملات و مسائل کے لئے ہیں جن کے بارے میں مناسب راہنمائی ہمیں بظاہر نہ ملتی ہو اور اس طرح تیسرے درجہ پر ہمارے لئے واجب اطاعت اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و عملی زندگیاں ہیں تاکہ ہم اُن سے پیروی کرنے کیلئے مناسب رہنمائی حاصل کر سکیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ پاک کے نزدیک صرف انبیاء علیہم اسلام ہی کی ذات اس اعلیٰ مقام پر فائز ہے کہ وہ بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور معصوم بھی اور یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اُتارا ۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں ڈالا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کچھ سفر کروایا اور حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت خصوصاً وحی نازل فرمائی جبکہ آپ نے جنگ بدر کے کفار قیدیوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ پر معاف کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔

رب کی نعمتوں کو بیان کرنے کا حکم

رب العالمین نے اپنے بندے پر جو نعمتیں نازل کی ہیں وہ بے شمار ہیں ۔ انہیں نہ تو گنا جاسکتا ہے اور نہ اُن کے شکر کرنے کا حق ادا ہو سکتا ہے ۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا ذکر بار بار کرتا ہے اور سورہ والضحیٰ میں حکم دیتا ہے کہ " اور جو نعمت تیرے رب کی ہے ۔

اُسے بیان کر"۔ اس حکم کے تحت ہم سب پر واجب آتا ہے کہ ہم ان کی نعمتوں کو بندوں میں بیان کیا کریں۔ ظاہر ہے کہ جو نعمت جتنی بڑی ہوگی۔ اُس کا ذکر بھی اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیئے اور سب سے بڑی نعمت کا ذکر سب سے زیادہ اور اللہ پاک کی ہم مسلمانوں پر سب سے بڑی نعمتیں دو ہیں۔ جن کا خصوصیت کے ساتھ ذکر قرآن پاک میں آتا ہے۔ اُن میں سے ایک حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہماری رہنمائی کے لئے بعثت اور دوسری قرآن مجید کا نزول

حضور ؐ کی بعثت فرما کر اللہ جل شانہٗ مسلمانوں پر جو اپنا احسان کر رہا ہے اُس سے تو یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت حضور ؐ ہی کی ذاتِ اقدس ہے سورۂ العمران کی آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہے کہ " یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا۔ جس وقت کہ اُس نے اُن کے بیچ اپنا پیغمبر بھیجا"۔

اللہ عزوجل کے اس حکم کی رو سے ہم مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ ہم مسلمان اپنی محفلوں اور مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و فضیلت کو بیان کریں۔ اب اس ضمن میں صرف یہ بات طے کرنی باقی رہ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان صرف دورِ نبوت سے لے کر وصال تک بیان کیا جانا چاہیئے یا کہ یوم ولادت سے لے کر نبوت پر فائز ہونے کے پہلے چالیس سال بھی۔ اگر ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پہلے چالیس سال باعث نعمت ہیں تو میری دانست و بصیرت میں ہمارے پاس کوئی معقول چارہ یا عذر نہیں رہتا کہ ہم اپنے بیان میں زندگی کے اس حصہ کو شامل نہ کریں۔ اگر کسی مسلمان بھائی کے ذہن میں حضور کی اسوۂ حسنہ کے پہلے چالیس سال کے نعمت ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہو۔ تو اُس کو اسے نکال دینا چاہیئے۔ اُسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت نبوت کا اعلان کیا تھا اور دعوتِ حق کے لئے پہاڑ کی چوٹی سے لوگوں کو پہلا خطبہ دیا تھا۔ اُس میں نبوت کی اساس اُسی چالیس سالہ زندگی کو بنایا تھا۔ جس کے حوالے سے لوگوں کو یاد دلایا تھا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و امین پایا تھا۔ اور اس طرح یہی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی لوگوں کے لئے اللہ پر ایمان لانے کا سبب بنی اور خود اللہ پاک سورۃ مریم میں اپنے رسول کے یوم پیدائش پر اُس پر اپنا سلام بھیجتا ہے۔ جس کے سبب یوم ولادت کی اہمیت بزرگی اور فضیلت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اللہ پاک معاملہ کو یہاں ہی بس نہیں کرتا۔ بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کم از کم چھ سو برس پہلے اپنے بندوں کو حضور ؐ کی

Marfat.com

بعثت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے خبر دے رہا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اُس کے بندے اس خبر کو سن کر خوش ہوں اور اس طرح جس وقت اللہ کے بندے کئی سو برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سنتے رہے اور یہ خوشی منانے کا معاملہ کئی سو برسوں میں اپنی انتہا کو پہنچا تو اللہ پاک نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا اہتمام کیا۔ یہاں یہ قابل غور بات پیدا ہو رہی ہے کہ اللہ کے بندے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بظاہر فیضیاب نہیں ہونا تھا۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی کئی سو برس تک خوشی مناتے رہے۔ لیکن ہم مسلمانوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر انہیں حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم ولادت کی خوشی منانی پڑے تو اُن کو گھٹن و بیزاری ہوتی ہے اور وہ اپنے اندر کسی نہ کسی انداز میں کجی محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی خود اپنے رسولؐ کے یوم ولادت پر سلام بھیجتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے میں جو روکاوٹیں پیش آتی ہیں اُن سب کو اپنے فضل و کرم سے ہمارے سب کے راستے سے ہٹا دے

مولانا اصلاحی اور بیانِ نعمت

ہوسکتا ہے کہ کچھ مسلمانوں کے ذہن نعمت کے بیان کرنے کی اہمیت و افادیت کے پوری طرح قائل نہ ہوں کہ جس کے لئے محفل میلاد کے منعقد کرنے کا اہتمام ضروری سمجھا جاتا ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ جس نعمت کو جتنا کم بیان کیا جائے گا یا اس کے بیان کرنے کا جتنا کم اہتمام کیا جائے گا۔ اتنا ہی اُس نعمت کو کم مان کر ایسا کیا جائے گا۔ جو کہ اُس نعمت کی ناشکری کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور نعمت کو نعمت کے زمرے سے نکال کر بدل دینے کی کاوش قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو سورہ بقر میں اللہ پاک کے ارشاد کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ ارشاد ربانی ہے "پوچھو بنی اسرائیل سے کہ ہم (اللہ) نے اُن کو کتنی ظاہر نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو جو اُس کو پہلے دی گئی ہو، کو بدل ڈالے۔ پس (اس کے لئے) اللہ بے شک سخت عذاب دینے والا ہے۔" اور اسی اللہ کی نعمت کے ضمن میں ہی اب جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب بعنوان "تدبر قرآن" کا حوالہ خصوصیت کے ساتھ دے رہا ہوں۔ مولانا صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں کہ "چونکہ بنی اسرائیل نے اللہ کی بخشی ہوئی نعمت کی قدر نہیں کی تھی۔ اس وجہ سے وہ قرآن کی نعمت

Marfat.com

سے بہرہ مند ہونے کے مستحق نہیں ٹھہرے اور جیسا کہ فرمایا گیا تھا " جو ایک پیسہ میں چور ہے اس کو ایک لاکھ کی امانت نہیں سونپی جائے گی " وہ قرآن کی عظیم الشان امانت سے محروم رہے ۔ ان کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ۔ جب اُس میں وہ راست باز اور امین ثابت نہ ہوئے تو خدا ان کو اپنی پوری کتاب کیسے سونپ دیتا ؟ " اس ضمن میں مولانا صاحب صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ۔ اس وجہ سے اس کا فہم و تدبّر صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ۔ جو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہوں .... جوں جوں وہ اس نعمت کے قدر واحترام میں بڑھتے جائیں گے ۔ اسی قدر اُس کی برکتیں ان کے لئے بڑھتی جائیں گی " اور صفحہ ۴۶ پر مولانا اسی نعمت کے موضوع پر ارشاد فرماتے ہیں " اور اُن کے کفرانِ نعمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا " مولانا صاحب کے ان ارشادات نے میرے لئے نعمت کے بیان کے مسئلہ کو بہت آسان کر دیا ہے ۔ اب جو بات صرف ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے ۔ وہ صرف اتنی ہے کہ جس طرح قرآن مجید ایک بہت ہی بڑی اللہ کی نعمت ہے ۔ اُسی طرح حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بہت ہی بڑی اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت کا ولادت سے لے کر وصال تک پوری طرح خلوص و عقیدت سے بیان نہ کرنا ناشکری اور کفرانِ نعمت کے مترادف ہے ۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنی اسی کتاب " تدبر قرآن " کے صفحہ ۱۵۲ پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید کا فہم و تدبر حاصل کرنے کے بارے میں بطور انھارٹی پیش کرتے ہیں اور جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر انجمن خدام القرآن جو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں ۔ وہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بزرگی اور دینی خدمات سے بے حد متاثر ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک موجودہ صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی دینی خدمات کو باقی سب کی خدمات سے امتیازی مقام حاصل ہے ۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا رجوع حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی طرف بھی کیا جائے ۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اُن کے جناب رسالت مآب کے متعلق اس ضمن میں کیا ارشادات ہیں ۔ تاکہ محفلِ میلاد کا مسئلہ خوش اسلوبی کے ساتھ آگے بڑھ سکے ۔

نعمت کے بیان میں کمی نہ ہو — حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے پہلے چالیس سالہ زندگی کو صحیح

Marfat.com

معنوں میں نعمت ماننے سے اگر اب بھی کسی مسلمان کے دل میں کوئی شک وشبہ رہ جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہوش وحواس کو پوری طرح بروئے کار لاتے ہوئے قرآن مجید کی سورہ الرحمٰن کی طرف رجوع کرے اور غور کرے کہ اللہ پاک مسلمانوں کو کس شدت سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ" میں دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہوں تو تم میری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مشرق اور مغرب کا رب ہونا بھی ہمارے لئے باعث نعمت ہے اور ہوسکتا ہے کہ مندرجہ ذیل ذہن کے مسلمانوں کو اس نعمت کے نعمت ہونے میں کہیں زیادہ کجی نظر آتی ہو۔ ایسے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی سوچ وفکر کو قرآنی آیات سے مطابقت پیدا کرے۔ ہم میں سے بعض ایسے بھی مسلمان ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو اپنی ظاہرہ فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بڑے بھائی کا درجہ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جناب رسالت مآبؐ بشر تھے۔ لیکن ہمارے بشر ہونے اور ان کے بشر ہونے میں زمین وآسمان کے فرق سے بھی کہیں زیادہ فرق تھا۔ ہم سب قرآن مجید کی عظمت وشان سے تو متاثر ہوتے ہیں۔ اگر قرآن اللہ کا کلام ہے۔ تو حضورؐ بھی تو اللہ ہی کے رسول ہیں۔ قرآن کے معلم ہیں۔ قرآن کی حکمت بھی پڑھاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ظاہر وباطن کو پاک وصاف بھی کرتے ہیں۔ اُن کے علم کا یہ حال ہے کہ اگر آج تک کے تمام علمائے دین جن میں سے بے شمار نے قرآن پر اپنی اپنی تفسیریں لکھی ہیں اور آئندہ بھی لکھنی ہیں۔ اگر ان تمام علمائے دین کا علم اکٹھا کر دیا جائے تو بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں ہیچ وناقص رہے گا کیونکہ علمائے دین کے علم کا حصول دنیاوی اسباب کی بدولت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا اہتمام خود اللہ تعالیٰ عالم غیب سے کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اپنے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون بہتر طور پر بیان کرسکتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ حضورؐ سب جہانوں کے لئے رحمت ہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ آپ سب آسمانوں اور زمین کی ہر شے کے لئے باعث رحمت ہیں اور اللہ کی رحمت تو ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے جسے یہ میسر آجائے اُسے اور کیا چاہیئے۔ اس لحاظ سے اگر غور وفکر کریں تو معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری کائنات کی ہر شے کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہیں اور اپنی اُمت کے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ

تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے ۔ سورہ العمران میں ہے کہ اگر مسلمان اللہ سے محبت و دوستی کا دم بھرتا ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو حضور کی اطاعت کے صدقے اپنا دوست بنائے گا اور اس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے تعبیر کر کے اپنے عاجز و ناتواں بندوں کے لئے معاملہ بہت آسان کر دیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اطاعت کرنے کی سند لینا نسبتاً بہت آسان ہے کیونکہ آپ رحمت اللعالمین ہیں۔ جلدی راضی ہو جانے والے ہیں۔ جلدی معاف فرمانے والے ہیں۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ " (التوبہ آیت ۱۲۸) ترجمہ :- " تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔"

رسولؐ پر ایمان لانے کی شدت کیسی ہو۔

اللہ جس شدت سے اپنے اوپر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح شدت سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔ ذرا غور سے سنو کہ سورۂ حدید میں کیا فرماتا ہے۔ کیا تنبیہہ کر رہا ہے۔ فرماتا ہے کہ " اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور لاؤ ایمان اس کے پیغمبر کے ساتھ " صاف ظاہر ہے کہ ایمان لانے والے تو صرف وہی ہوتے ہیں جو کہ اللہ کے ساتھ رسول پر بھی ایمان لائیں۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض پر ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اُس کے (اللہ) اور اس کے (رسول) کے بین بین کوئی راہ نکالیں یقین مانو کہ یہ سب لوگ کافر ہیں حقیقت میں " لیکن چونکہ ان ایمان والوں کا رسول پر ایمان اس کیفیت کا نہیں ہے کہ جس سے ایمان لانے کی شرط اور حق پورا ہوتا ہو۔ اس لئے ڈرایا جا رہا ہے کہ خدا سے ڈرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ایمان لاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تو تمام انبیاء علیہ السلام پر بھی واجب ہے۔ سورہ العمران میں ارشاد حق تعالےٰ

Marfat.com

ہے " اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا البتہ میں (اللہ) جو کچھ دوں تم (انبیاء) کو کتاب سے اور حکمت سے پھر آوے تمہارے (انبیاء) پاس پیغمبر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اُس چیز کو سچا کرنے والا جو تمہارے ساتھ ہے ۔ البتہ ایمان لانا ساتھ اُس (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور مدد دینا اس کو۔ کہا (اللہ نے) کیا اقرار کیا تم (انبیاء) نے اور اس پر تم نے میرا بھاری عہد لیا۔ کہا انہوں (انبیاء) نے اقرار کیا۔ ہم نے کہا (اللہ نے) پس گواہ رہو اور میں (اللہ) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں " یہ میثاق کا معاملہ عالم ارواح میں پیش آیا۔ جس وقت کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام بھی پیدا نہیں ہوئے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پانے سے نبوت کا سلسلہ اپنی تکمیل کو پہنچا اور قرآن مجید کے نزول سے اللہ کا دین اپنی تکمیل کو پہنچا جس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دنیا میں نہ ہوئی ۔ دین کی تکمیل کا سلسلہ رکا رہا اور جس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کی عمر پا کر تخت نبوت پر فائز نہ کئے گئے نزول قرآن انتظار کے مراحل طے کرتا رہا اور پھر بتدریج بذریعہ وحی کئی سال تک نازل ہوتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرنے سے عاجز بندہ اپنی بے بسی کا اعلان کرتے قطعاً نہیں شرماتا۔ ان کی شان تو ہر پہلو سے اجاگر ہو کر بندہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے۔

حضورؐ نور کیسے ہیں

بعض مسلمان یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ بشر نوری نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورہ الحدید میں فرماتا ہے کہ مومن بندوں کا نور اُن کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا۔ جس وقت کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے ۔ پھر اسی آیت میں ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ بندے اپنے پروردگار کے نزدیک سچے ہیں ۔ اُن کے واسطے اُن کا ثواب ہے اور اُن کا نور بھی ہے البتہ جو لوگ کہ کافر ہیں ان سے اللہ تعالیٰ اُن کا نور چھین کر لے جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتا ہے کہ نور اُس کی تخلیقوں میں سے ایک تخلیق ہے اور سورہ التغابن کے مطابق نور پر ایمان لانا بھی ہم سب پر واجب ہے اور اس آیت مبارکہ میں جس نور کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر قرآن مجید ہے ۔ پھر اسی ضمن میں سورہ الصف میں ارشاد ہے " کہ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مُنہوں سے بجھا دیں ۔ مگر اللہ تو اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے ۔ چاہے کہ کافر اس (بات) سے ناخوش ہوں "۔ یہ نور بظاہر اللہ کا دین ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر مشتمل ہے ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے " قد جاءکم من اللہ نورٌ وکتابٌ مبین " یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آیا

Marfat.com

ایک نور (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایک روشن کتاب (قرآن کریم) اور اسی پہلو سے سورہ ابراہیم کی یہ آیت مبارکہ ہے " یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو (رسول) لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نور میں لے آئے " یعنی آپ لوگوں کو اپنے اور قرآن کے نور کی طرف لے آئیں ۔ قرآن مجید میں سے ان متعدد آیات کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ ان کی روشنی میں ہم نور کا صحیح مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ نور اللہ پاک کی وہ تخلیق ہے۔ جس سے روشنی پیدا ہوتی ہے ۔ اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور اس کی بدولت اندھیرے میں مخفی چیزوں کا علم ہمیں حاصل ہوتا ہے اور اس کی بدولت چیزوں کی ہیئت اور خواص معلوم ہوتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ بڑی بڑی چیزوں کا علم تو نور کی معمولی سی روشنی میں بھی ہو جاتا ہے ۔ لیکن جو چیز چھوٹی ہو گی یا جتنی لطیف اور مخفی ہو گی اس کا علم حاصل کرنے کے لئے نور کی اتنی ہی تیز روشنی درکار ہو گی ۔ پھر نور کا ایک عمل یہ بھی ہے کہ وہ کثافت کو دور کرتا ہے اور پاک بناتا ہے ۔

میرے نزدیک کائنات میں سب سے زیادہ لطیف اور سب سے مخفی اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے ۔ اُس نے خود کو لاکھوں کروڑوں پردوں میں چھپا رکھا ہے ۔ لہٰذا اس کا علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں اُسی نسبت سے اعلیٰ ترین نور کی ضرورت ہے ۔ جس کی روشنی تمام پردوں سے گذرتی ہوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کی ہمیں خبر دے اور اُس کے ہمارے ساتھ تقاضوں سے آگاہ کرے ۔ اُس کے متعلق ہمیں اُس کا ہر ضروری علم دے تاکہ یہ علم ہم سب کی نجات کا باعث بنے اور یہ نور کون ہیں محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ احزاب میں سِرَاجاً مُّنِیۡرًا کہا گیا ہے یعنی نور کا چراغ حضور کا نور ہماری ظاہر و باطن کی کثافتوں کو دور کرتا ہے اور ہمیں پاکیزہ بناتا ہے ۔ حضور ہمارے لئے اسی طرح اللہ کا نور ہیں جس طرح کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی کے بندے ہیں جیسے کہ سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لے گیا وہ (اللہ) اپنے بندے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو جو آسمانوں اور زمین کا نور کہا ہے تو وہ اپنے اس نور سے آسمانوں اور زمین کو ہمارے لئے منور کر رہا ہے تاکہ ہم ان میں اس کی نشانیاں بخوبی دیکھ سکیں اُن پر خوب غور و فکر کریں اور ان کا صحیح علم حاصل کر کے اللہ پاک پر مکمل ایمان لائیں اُس نے اپنے نور کی بدولت اپنی ہر مخلوق کو بھی اُس کی زندگی کے عمل کے لئے ضروری علم عطا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پہاڑ نے اللہ کی

خلافت کا بوجھ اٹھانے سے ڈر محسوس کیا۔

جو مسلمان رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کا اخراج کرتے ہوئے صرف بشر مانتے ہیں۔ اُن کی یہ کیفیت بظاہر اس وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ نور کو بشریت کے مقابلہ میں اعلیٰ و عرفا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ پاک نے جہاں باقی کائنات کی تمام اشیاء کو تخلیق کیا ہے۔ وہاں اُس نے نور کو بھی تخلیق کیا ہے اور نور سمیت اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے انسان اشرف المخلوق قرار پایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انسان ہی کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا اور نورانی فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کروایا اور جہاں فرشتے اپنے نور کی مدد کے باوجود اللہ کو کائنات کی تمام چیزوں کا نام بتلانے سے عاجز و بے بس رہے وہاں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے نور کے تصرف سے تمام غیبی اشیاء کے ناموں کا علم حاصل کر کے ان کے نام بتا دیئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے اعلیٰ قسم کے نور سے نوازا ہے۔ اسی لئے وہ خود کو پردوں میں چھپا کر اپنے بندے تقاضا و توقع کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے نور کی مدد سے اس کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنے خالق و مالک کا علم حاصل کرے۔ اور اُس پر ایمان لائے اور اپنے رب کی اس طرح اطاعت کرے جیسے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہو اور اُسے سن رہا ہو۔ چونکہ انسان ہی اللہ کے نزدیک اشرف المخلوقات قرار پایا ہے۔ اسی لئے صرف یہی روزِ قیامت اس کے امتحان کا اہل قرار پایا ہے۔ یہ جس وقت اپنی نورانی کیفیت کی مدد سے اپنے اللہ کو روزِ قیامت دیکھے گا۔ تو فوراً اُس پر ایمان لانا چاہے گا۔ کیونکہ یہ ابلیس نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے بھی اُس کی حکم عدولی کی غلطی سرزد کرے گا۔ لیکن چونکہ اللہ پاک نے انسان کی تخلیق میں جو اعلیٰ نورانی عنصر رکھا ہے۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ انسان کے روزِ قیامت ایمان لانے اور اس کی اطاعت پر آمادہ ہونے کو اس وقت قبول نہیں فرمائے گا لہٰذا جو انسان اس امتحان میں پاس ہوں گے۔ وہ نورانی فرشتوں سے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے اور جو اس میں فیل ہوں گے اُن کو سزا بھی اُسی شدت سے ملے گی۔ انسان میں نور کا حال وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب آپ خود ہی اخذ کر لیں کہ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا کیا عالم ہو گا جو کہ اس اشرف المخلوقات میں سب سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں اور اللہ پاک کے بعد بزرگ ترین ہیں اور اپنے اللہ کے ہر لحاظ سے اتنے قریب ترین ہیں کہ انسان کی عقل اس حقیقت

Marfat.com

کا ادراک کرنے سے عاجز و قاصر ہے

قبلہ کا تعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے تابع

مسلمان جس وقت حج کرتے ہیں تو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کی بدولت اور اللہ کے گھر کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے کی بدولت بھی اُن کے گناہوں کی کثافت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ اُن کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور حضورؐ کا مقام یہ ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ بتوں کی کثافتوں سے اپنے دست مبارک سے پاک کیا ہوا ہے اور ہمارے نزدیک یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جن پر ہمیں پوری طرح غور کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اللہ پاک سے دعا مانگنی چاہیئے کہ وہ ہمیں اپنی نشانیوں کو صحیح انداز میں سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ مسلمانوں کے لئے قبلہ کی بزرگی اور تقدس اپنی انتہا پر ہے۔ لیکن حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ قبلہ کا تعین کرنا آپ کی خواہش کے تابع کر کے مسجد اقصٰے سے بدل کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیتا ہے اور سورہ البقرہ میں حکم ہوتا ہے کہ تم اپنا منہ (نماز کے لئے) مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور حد تو یہ ہے کہ اللہ پاک سورہ انفعال میں حکم دیتا ہے کہ اے مسلمانو! جس وقت اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پکارا کرے۔ اس کے پکارنے پر لبیک کہا کرو۔ چاہے تم نماز ہی کی حالت میں کیوں نہ ہو۔ یہ سب کچھ اس غرض سے بیان کیا گیا ہے تا کہ مسلمان بھائی حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور اس طرح اللہ پاک کی اس نعمت کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ان کی اُمت پر کی ہے اور جن کے صدقہ سے اس اُمت کو باقی تمام امتوں پر بزرگی و فضیلت عطا کی ہے کا پورا پورا احساس کر سکیں۔ جیسے کہ سورہ احزاب میں اللہ پاک حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ خوش خبری دے ایمان والوں کو اس بات کی کہ اُن کے واسطے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و بزرگی کا جتنا زیادہ احساس ہمیں ہوتا جائے گا اسی لحاظ سے ہم پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ پاک کی عظیم ترین نعمت ہیں اور اس نعمت کا بیان بھی عظیم انداز میں ہی ہونا چاہیئے۔ اس لئے ہمیں میلاد کی محفلیں بھی منعقد کرنی چاہئیں اور سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اجلاس بھی۔ لیکن ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی محفلیں خصوصیت کے ساتھ پورے ذوق و شوق کے ساتھ اور پورے دین کے ادب و احترام کے ساتھ منعقد کرنی چاہئیں۔

Marfat.com

کیونکہ جناب رسولِ خدا اسی مبارک مہینہ میں پیدا ہوئے تھے۔

محفل میلاد میں جو نعت خوانی ہوتی ہے۔ وہ ہمارے دین میں کوئی بدعت اس لئے نہیں ہے کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ بن ثابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور شان میں مسجد نبوی میں نعت پڑھا کرتے تھے اور اصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس محفل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود ہوا کرتے تھے اور نعت خوانی سے بہت محفوظ ہوا کرتے تھے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جس کی تعریف بیان کر کے خود اللہ تعالیٰ فخر و خوشی محسوس کرے اس کی تعریف اس کے اُمتی کیوں نہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعمت ہونے کے بیان کو پایہ تکمیل تک کیوں نہ پہنچائیں پھر اس سلسلہ میں ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ کسی تخلیق کی جتنی بھی تعریف جب کی جاتی ہے وہ دراصل تمام تعریف تو اس تخلیق کے خالق ہی کی ہوتی ہے اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی ہم مسلمان تعریف اور شان بیان کرتے ہیں وہ تمام تر اللہ پاک ہی کی تعریف ہوتی ہے اسی کی حمد و ثناء ہوتی ہے کیونکہ اس اعلیٰ مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز کرنے والا خود اللہ جل شانہٗ ہی تو ہے البتہ ہمیں اتنی احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ ہم نعت خوانی میں تعریف کرتے کرتے اس حد سے متجاوز نہ کر جائیں جس سے کہ نعوذ باللہ کسی انداز میں کفر و شرک کا پہلو نکل سکے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ کی امت کے بعض لوگ ان کی شان و عظمت سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا سمجھ بیٹھے اور اس مقام پر وہ صراط مستقیم سے بھٹک گئے

اللہ کے نزدیک زندہ کون ہے

اب ہم محفل میلاد میں درود وسلام کے مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ ویسے تو سب مسلمان بھائی جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی سورہ احزاب کی اس آیت مبارکہ پر ان کا ایمان ہے۔ جس میں ارشاد ربانی ہے "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو" لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیئے کوئی واضح درود و سلام ہدایت نہیں فرمایا اسی لیے ان میں تفرقہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک فرقہ ایسے درود کو شرک سے تعبیر دیتا ہے۔ جس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جاتا ہو یا یوں سمجھیں کہ منادی جاتی ہو۔ کیونکہ اس فرقہ کے مسلک میں صرف خدا کی ذات بابرکات کے سوا کسی اور کو پکارنا جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ

انبیاء مرجانے کے بعد اپنی قبروں میں مردہ ہیں۔ اور کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ اس وجہ سے اس فرقہ کے نزدیک صرف درود ابراہیمی پڑھنا ہی صحیح و جائز ہے۔ اور دوسرا فرقہ انبیا علیم السلام کو چونکہ اپنی قبور میں زندہ مانتا ہے۔ اس لیے اس کے نزدیک ندائی درود و سلام بالکل واجب و جائز ہے۔ وجہ اس تفرقہ کی یہ ہے کہ ہم اپنے محدود مادی مشاہدے کے مطابق جو سطحی ہوتا ہے۔ اس شخص کو جو مرجائے جس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ اس کو مردہ تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ مرجانے والا بظاہر ہمارے ساتھ اب بولنا، پہننا، کھانا، پینا۔ چلنا پھرنا اور سونا، جاگنا سب کچھ بند کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ کا کہ کون زندہ ہے اور کون مردہ ہے کا براہ راست تعلق اللہ پاک کی ذات عالیشان سے ہے اس لیے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے اپنی اپنی عقل و فہم کے ساتھ اسی قادر مطلق کی طرف مناسب راہنمائی حاصل کرنے کے لیے رجوع کریں۔ جو کہ ہم سب کا خالق و مالک ہے۔ قرآن پاک میں جو ارشادات ربانی ہیں۔ ان سے یوں ہی سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ صرف اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اس کی پکار کو سنتے اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے مکمل ایمان لاتے ہیں۔ یہ بندے اس کے نزدیک زندہ ہیں۔ چاہے وہ اس مادی دنیا میں ہوں یا مرجانے کے بعد قبر کی مسافت طے کر کے اگلی دنیا میں چلے گئے ہوں۔

اور جو بندے اس کی پکار پر کان نہ دھریں کافر ہوں اس سے نہ ڈریں اور اس پر ایمان نہ لائیں وہ اللہ کے نزدیک مردہ ہیں۔ چاہے وہ بندے اس مادی دنیا میں بظاہر چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہی کیوں نہ ہوں یا مرجانے کے بعد قبر کی مسافت طے کر کے دوسری دنیا میں چلے جائیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے وہ بعض ذہنوں کو آسانی سے سمجھ نہ آرہا ہو۔ اور ان میں تنگی محسوس ہو رہی ہو لیکن امید کرنی چاہیے کہ میں اپنی بات اگلی چند سطور میں ان پر کھول سکوں گا۔ پہلے سب سے تو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کی روح اس کے جسم سے پرواز کر جائے وہ زندہ نہیں رہتا۔ اور اس کا ثبوت سورہ زمر کی یہ آیت کریمہ ہے۔ کہ اللہ جانوں کو ان کی موت کے نزدیک قبض کر لیتا ہے۔ اور جو (موت کے نزدیک ابھی نہیں ہوتے) ان کی جانوں کو نیند کے دوران قبض کر لیتا ہے۔ پس بند کر رکھتا ہے ان (جانوں) کو جن پر کہ موت مقرر کی ہے اور بھیج دیتا ہے۔ باقی جانوں (روحوں) کو ایک وقت مقرر تک بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ابھی ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف مومن زندہ ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور موت کے بعد بھی اور کافر مردہ ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور موت کے بعد بھی اس بیان سے جو مسئلہ

Marfat.com

تجزیہ کے لیے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک تو یہ معلوم کیا جائے کہ کافر کیسے اس مادی دنیا میں موت آنے سے پہلے مردہ ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ مومن موت کے بعد کیسے زندہ ہوتے ہیں۔ پہلے ہم کافر کے مردہ ہونے کا معاملہ لیتے ہیں۔ سورہ انفعال میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا بھی اور تم اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرنا۔ اور تم تو سن لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں (کافروں) کی طرح نہ ہونا جو دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم نے (سب کچھ) سن لیا حالانکہ (حقیقت میں) وہ سنتے سناتے کچھ نہیں بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں۔ جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا بھی نہیں سمجھتے" یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اگرچہ یہ بظاہر کافر بھی سنتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ لیکن اللہ کے حساب یا پیمانے سے وہ اپنے کفر کی کیفیت کی درجہ سے بہرے اور گونگے قرار دیئے جا رہے ہیں تاکہ یہ بات مزید واضح ہو سکے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنی چاہیے کہ زندگی کون بخشتا ہے۔ موت کون دیتا ہے۔ اور مردہ کون کرتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے تو پھر اس معاملہ میں اُسی کے فیصلہ کو بھی حرف آخر ماننا پڑے گا۔ سورہ بقر میں ارشاد ہے کہ وہ (کافر) نہیں دیکھتے۔ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں۔ اندھے ہیں۔ پس وہ لوٹ کر نہیں آتے۔ یہاں کافروں کو گونگے بہرے ہونے کے علاوہ اندھے بھی کہا جا رہا ہے۔ مزید غور کریں سورہ الروم میں ارشاد خداوندی ہے کہ بے شک نہیں سناتا تو مردوں کو اور نہیں سناتا بہروں کو (اپنا) پکارنا جس وقت کہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ جاتے ہیں اور تو (رسول) اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ دکھانے والا نہیں" یہاں صاف طور پر ان کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ جو کہ اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو نہیں سنتے۔ انہیں اللہ پاک مردے بہرے اور اندھے قرار دے رہا ہے۔ اور یہ مقام اللہ کے ہاں انسان کے تنزل کا ہے۔ اور درجہ کے لحاظ سے گمراہی کی گہرائیوں میں گر جانے کا ہے۔

اب اس بات کو بالکل برعکس انداز میں سنیئے تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سورہ انفعال میں ارشاد فرماتا ہے کہ" اے لوگو جو ایمان لائے ہو پکارنا قبول کرو واسطے رسول کے۔ جبکہ (وہ) پکارے تم کو واسطے اس کے تاکہ وہ تم کو زندہ کرے" اس آیت کریمہ کا آپ اب خود ہی تجزیہ کریں صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو اگر تم زندہ ہونا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو قبول کرو یعنی جو اس پکار کو قبول نہیں کریں گے۔ وہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جو زندہ نہ ہو وہ مردہ ہوتا ہے۔ چاہیے اُسے ابھی موت آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ نے اس آیت مبارکہ میں زندہ کا لفظ اصلاحاً ارشاد فرمایا

Marfat.com

ہے۔ ایسے شخص کو میں یہ کہوں گا۔ کہ اگر تیرا اپنا لفظوں کا علم اللہ پاک کے علم و دانائی سے بہتر ہے اور تو اس آیت کریمہ کا یہ لفظ تبدیل کرنے کی صلاحیت و ہمت رکھتا ہے۔ تو ایسا کر کے دکھا لیکن اگر ایسی کوئی تبدیلی اللہ کے کلام میں کرنے سے عاجز ہے۔ تو پھر اس زندہ کے لفظ کو کوئی اور معنی بھی پہنانے کی گستاخی نہ کر۔ کیونکہ اگر لفظوں کے واضح معنی کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ صرف کلام الہی کے کسی لفظ کو ہی اپنے لفظ سے تبدیل کرنے کی جسارت کرنے کا مرتکب ہوگا۔

زندہ کو مردہ کہنے والوں کو اللہ کی تنبیہہ

اسی ضمن میں اللہ پاک فرماتا ہے۔ کہ مسلمانو! زندہ اور مردہ ایک برابر نہیں ہوتے لہذا تم مردہ کو زندہ نہ سمجھو چاہے وہ دنیا میں تمہیں بظاہر چلتا پھرتا ہی نظر کیوں نہ آتا ہو۔ اور زندہ کو مردہ مت سمجھو چاہیے اس پر موت ہی کیوں نہ واقع ہو چکی ہو اللہ کے ہاں زندہ تو مردہ سے بہت بلند درجہ پر فائز ہے اس لیے اللہ پاک کو گوارا نہیں کہ تم اسے اپنے لاشعور کی وجہ سے مردہ کہو۔ سورہ فاطر میں ہے " اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندہ اور مردہ بھی آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے۔ اور آپ (رسول) ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔ عوام کے فہم کے مطابق تو قبروں میں صرف مردے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں چلتے پھرتے سانس لیتے لوگ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو یہی فرما رہا ہے۔ کہ یہ لوگ جو نہیں سنتے اپنی قبروں میں ہیں اور اپنے کفر کی وجہ سے مردہ ہیں۔ اور اسی ضمن میں سورہ الانعام میں ارشاد باری ہے ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم (اللہ) نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور ہم نے ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لیے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا یہ شخص ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کی حالت یہ ہو کہ وہ کفر کی تاریکیوں میں ہے۔ (وہ) اُن سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔ اور سورہ یٰسین میں ارشاد ہے کہ قرآن ہدایتوں کی ایک روشن کتاب ہے۔ تاکہ ڈراوے (صرف) اس شخص کو جو کہ زندہ ہے اور کافروں کے اوپر (عذاب) کی بات صحیح ہو۔

کافروں کے مردہ ہونے کے مسئلہ کی کافی وضاحت ہو چکی ہے اب مومنوں کے زندہ ہونے یا زندہ رہنے کے بارے میں کچھ تحقیق درکار ہے۔ تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کیا مومن اپنی موت وارد ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہی ہوتے ہیں یا مردہ ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں سورہ البقر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے " اور

Marfat.com

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کے بارے میں یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم (اس بات کو سمجھنے) کا شعور نہیں رکھتے"۔ اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ اس آیت کے نزول سے پہلے بعض مسلمان اللہ کے ان مومن بندوں کو ان کی موت وارد ہو جانے پر مردہ تصور کرتے تھے۔ اور یہ بات اللہ کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ کہ اس کے مومنوں کو زندہ ہونے کے اعلیٰ مقام و درجے سے گرا کر کافروں میں شامل کر دیا جائے۔ جو کہ موت سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں مردہ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں مسلمانوں کو جھڑک پلائی جا رہی ہے۔ اور تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم ان کو مردہ صرف اس وجہ سے مت کہو۔ کیونکہ یہ بات تمہاری عقل کی حدود سے باہر ہے۔ اگر اللہ پاک اپنے شہیدوں کو مردہ کہلوایا جانا برداشت نہیں فرماتا۔ تاکہ اس وجہ سے شہیدوں کے درجہ کو گھٹایا نہ جائے تو جو شہیدوں سے بلند درجہ پر صدیقین اور صدیقین سے بلند درجہ پر انبیاء علیہ السلام ہیں ان کو مردہ کہلوا کر ان کا درجہ کم کرنے کی کوشش کو کب برداشت کرے گا اگر شہید جنت میں زندہ ہیں تو انبیاء علیہ السلام اور صدیقین بھی جنت میں زندہ ہیں اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں یا مر جائیں تو اللہ ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں مارے جانے والے یا مرنے والے ایک جگہ پر اکٹھے کئے جائیں گے ان سب کی حالت اور کیفیت ایک جیسی ہو گی اس طرح اگر اللہ کی راہ میں مارے جانے والے زندہ ہوں گے تو اس کی راہ میں مرنے والے بھی زندہ ہی ہوں گے اور ہر اللہ کا دلی جس ذات مرتا ہے۔ وہ اُسی کی راہ پر زندگی کے آخری لمحہ تک گامزن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ بھی زندہ ہے۔ یہاں یہ بات کھل کر روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ اللہ پاک نے جس شخص کو مردہ قرار دیا وہ مردہ ہی رہے گا۔ اور موت وارد ہونے کے بعد بھی وہ اللہ کے نزدیک مردہ ہی رہے گا۔ اور جس شخص کو اللہ پاک نے زندہ قرار دے دیا۔ تو وہ بھی موت وارد ہونے کے بعد اپنے اللہ کے نزدیک زندہ و سلامت ہی رہے گا۔ یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جانی چاہیے کہ جس شخص کو اللہ پاک اپنی سلامتی میں لے لے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ وہ کبھی مردہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔ کہ یہ (مومن) لوگ ہیں (کہ) جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے درود اور رحمت ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان بھائی = **زمین سورج، چاند، پہاڑ سب زندہ ہیں**

Marfat.com

کا ذہن اس بات کی طرف ہی صرف جاتا ہو کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں سے تخلیق کیا ہے۔ ایک تو اس جسم کا ہے جو کہ زمین کی مٹی سے بنا ہے اور دوسری اس کے جسم میں روح پھونکی اور جس وقت انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کی روح تو اوپر پرواز کر جاتی ہے۔ اور خاکی جسم زمین کے اندر زمین کا حصہ بن جاتا ہے لہذا یہ کیسے کہا جائے کہ یہ خاکی جسم بغیر روح کے زندہ ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے اس بات کا تجزیہ کرنے کی اب ضرورت ہے۔ کہ زمین بذات خود کیا زندہ ہے یا کہ مردہ سورہ روم میں ارشاد حق ہے کہ "پس دیکھو خدا کی رحمت کی نشانیوں کی طرف۔ کس طرح وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا" سورہ حج میں ارشاد ربانی غور طلب ہے کہ "کیا نہیں دیکھا تو نے۔ یہ کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ واسطے اُس (اللہ) کہ جو کوئی بھی بیچ آسمانوں کے ہے۔ اور جو کوئی بیچ زمین کے ہے۔ اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمیوں میں سے اور بہت ایسے (آدمی) ہیں۔ کہ ان پر عذاب ثابت ہوا" آسمانوں کی ہر شے اور زمین کی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔ اس کی نماز پڑھتی ہے۔ اس کو سجدہ کرتی ہے۔ ان میں سب شامل ہیں۔ سورج چاند ستارے، پہاڑ، درخت، جانور لیکن صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سب کے سب اللہ کی نہ تسبیح کرتی ہے نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کو سجدے کرتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ سورج چاند، ستارے پہاڑ درخت وغیرہ سب زندہ ہیں۔ زمین بھی زندہ ہے اور زمین کا زندہ ہونا تو سائنس کی رو سے بھی سمجھ آتا ہے۔ سائنس زندگی کے عمل کو طاقت و توانائی کے ظہور سے حرکت سے آواز کے پیدا ہونے سے شناخت کرتی ہے۔ طاقت سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ حرکت سے نشوونما بھی ہوتی ہے۔ اور منتقلی مقام بھی ہوتی ہے۔ اور یہ سارے عمل زمین میں کیمیادی عمل کے تحت ہوتے ہیں۔ زلزلہ پیدا ہوتا ہے اس میں توانائی بھی ہوتی ہے۔ حرکت بھی اور آواز بھی اور کیمیادی عمل ہی سے مختلف دھاتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور پہاڑ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا میں شامل ہوتے تھے۔

سمجھ آتا ہے کہ زمین زندہ ہے تو اس کا ایک ایک ذرہ بھی زندہ ہوتا ہے۔ لیکن صرف انسان وہ زندہ ہیں جو کہ اللہ کی پکار کو سن کر اُسے قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کی نماز پڑھتے ہیں۔ اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور جو مسلمان دنیا میں زندہ ہوتے ہیں وہ مر جانے کے بعد بھی زمین میں دفن ہو کر بھی زندہ ہی رہتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ جو اللہ کی پکار کو نہیں سنتے اور اس کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس کے حضور سر تسلیم خم نہیں کرتے وہ اللہ کے ہاں مردہ ہیں۔ اور دنیاوی لحاظ سے ہمارا مردے کے بارے

Marfat.com

ہیں یہی تصور ہے۔ کہ وہ کچھ سنتا نہیں، دیکھتا نہیں۔ اور ہماری پکار کے مطابق کوئی عمل نہ کرتے ہوئے اپنی بے حسی کا ثبوت دیتا ہے۔ اب ہم اللہ کے نقطہ نگاہ سے اسی معاملہ کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو صرف اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ اس لیے جو انسان اللہ کی پکار نہ سنے اُس کی پکار کو قبول نہ کرے اس کو سجدہ نہ کرے۔ اس کی تسبیح نہ کرے بلکہ ان تمام ضروری شرائط کو پورا کرنے کی بجائے وہ اس سے بغاوت کرے اس کی ذات گرامی کو ماننے سے انکار کر دے تو وہ انسان پیدائش کے واضح مقصد عبادت کی خلاف ورزی کرتا ہو۔ اللہ پاک سے مردہ قرار نہ پائے تو اور کیا ہو۔

صرف کافر مردہ ہوتے ہیں

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلمان بھائی عام مومنوں کو تو درکنار انبیا اور اولیا اللہ کو بھی مر جانے کے بعد زندہ تصور نہیں کرتے۔ اسی سلسلہ میں میری توجہ کا سبب ایک کتابچہ بعنوان "یہ قبریں یہ آستانے" بنا ہے۔ اس کو میرے بھائی کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (جو کہ حزب اللہ کراچی کے امیر ہیں) نے سپرد قلم کیا ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالے سے ثابت کرنے کی ہر چند کوشش کی ہے۔ کہ ہر انسان مر جانے کے بعد مردہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ نبی ہو، ولی ہو۔ مومن ہو یا کافر ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے سب سے زیادہ سہارا سورہ نحل کی ان آیات مبارکہ کا لیا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ج وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ہ" ترجمہ: اور جو لوگ پکارتے ہیں سوائے اللہ کے نہیں پیدا کرتے ہیں (وہ) کچھ اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں۔ مردے ہیں۔ نہیں زندہ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ ان آیات کریمہ پہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا پہلی آیت میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ وہ ہیں جو یہ حقیقت نہیں جانتے کہ جن کو وہ پکارتے ہیں وہ خالق نہیں ہیں۔ بلکہ مخلوق ہیں۔ چونکہ جو مسلمان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کے روضوں پر جاتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں اور ان کا ایمان اس بارے میں کم از کم پختہ ضرور ہے۔ کہ سب انسانوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس لئے ان آیات میں جن لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے وہ ایسے کافر لوگ ہیں۔ جو عقل پر پردہ پڑنے اور دلوں پر مہر لگنے کے باعث جن بتوں کو پکارتے ہیں۔ اُن کو خالق مانتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ کافر ہیں۔ اور اپنے معبودوں کو پکارنے اور پوجا کرنے کی

وجہ سے اللہ پاک ان کافروں کو مردے قرار دے رہا ہے ۔ نہ کہ زندہ ۔ اور پھر یہ بتا رہا ہے کہ یہ مردہ کافر اس لئے کفر کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ کیونکہ وہ جانتے ہی نہیں ۔ کہ کب اٹھائے جائیں گے ۔ یعنی وہ یقین نہیں رکھتے ۔ کہ واقعی قیامت آئے گی ۔

اور دوسری آیت سورہ الاعراف کی ہے ۔ جس کا کہ سہارا لینے کی کوشش کیپٹن صاحب نے کی ہے ۔ وہ یہ ہے " تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض اللہ کے بندے ہیں جیسے تم بندے ہو ۔ ان سے دعائیں مانگ دیکھو ۔ یہ تمہارے دعاؤں کا جواب دیں ۔ اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں ۔ اس آیت کو کیپٹن مسعود مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی ایسا نہیں ہے ۔ جسے یہ نہ پتہ ہو کہ سب انسان اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے یہ کہ کوئی مسلمان اللہ کو چھوڑ کر یعنی اس کی نفی کرتے ہوئے اور اس کے وجود سے انکار کرتے ہوئے کسی غیر اللہ سے مانگتا ہو ۔

ان آیات مبارکہ کا متن صاف بتا رہا ہے ۔ کہ ان میں جن لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ۔ وہ کافر ہیں ۔ لیکن جو لوگ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے ہیں ۔ وہ مسلمان ہیں ۔ کفر و شرک نہیں کرتے کیونکہ سورہ مومن میں ارشاد ربانی ہے کہ " اور ہم (اللہ) نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا ۔ مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کی جائے ۔ اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے تیرے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پاس آ دیں ۔ پس اللہ پاک سے بخشش مانگیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی) ان کے واسطے بخشش مانگے البتہ پا دیں گے (یہ لوگ) اللہ کو پھر آنے والا مہربان " اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمان اپنی بخشش کے لئے نہ صرف خود ہی اللہ پاک سے دعا مانگے بلکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی خاطر دعا کرنے کی استدعا کرے جو کہ مانگنے ہی کی ایک قسم ہے ۔

کیپٹن صاحب کو نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی برکات کو بھی تسلیم نہیں کرتے ۔ حالانکہ سورہ بقر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات کا واضح ذکر ہماری راہنمائی کے لئے کیا گیا ہے ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " اور ان کے نبی نے کہا ان کے واسطے کہ یقیناً یہ نشانی اس کی پادشاہی کی ۔ کہ تمہارے پاس صندوق آئے کہ جس کے اندر تسکین ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (صندوق) میں اس چیز (تبرکات) سے باقی ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی قوم

Marfat.com

چھوڑ گئی۔ اس (صندوق) کو فرشتے اٹھا لائیں گے۔ اگر تم ایمان والے ہو تو اس میں بے شک تمہارے لئے نشانی ہے۔" اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی جو چیزیں اس صندوق میں تھیں وہ اللہ پاک کی طرف سے باعث تسکین تھیں۔ اور ان چیزوں کی وجہ سے یہ صندوق اتنا برکت والا اور مقدس تھا کہ اللہ نے خود اپنے فرشتوں کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کو اٹھا لائیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی چھوڑی ہوئی چیزوں کی برکات و تقدس کا یہ عالم ہے تو اللہ اللہ انبیاء علیہم السلام کی خود ذات کی برکات بزرگی و تقدس کا کیا کہنا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو مسلمان خوش قسمتی سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں وہ کیسے کیپٹن صاحب کو اور ان کے ہم خیال لوگوں کو یہ یقین دلائیں گے کہ روضہ مبارک پر برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ اور سب کو وہاں جا کر وہ گوناگوں سکون نصیب ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ کیپٹن صاحب اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی احادیث کا سہارا بھی لیتے ہیں اور متعدد جگہ پر ان کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں سچ قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب امام مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے واقعہ کے سلسلے میں دو حدیثیں بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھتے دیکھا اور دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو مسجد اقصےٰ میں نماز پڑھتے دیکھا تو ان حدیثوں کو جھوٹا مانتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے میں اللہ کی قدرت کے ساتھ ساتویں آسمان سے پرے سدرہ سے آگے جا کر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ سکتے تھے۔ جنت دوزخ کی سیر کر سکتے تھے نیز اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک ادنیٰ غلام صرف آنکھ کے ایک جھپکنے میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے ملکہ بلقیس کا تخت اللہ کی قدرت کے تحت حضرت سلیمان علیہ السلام کے قدموں میں لا کر رکھ سکتا تھا تو کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر سے مسجد اقصےٰ میں اپنے اللہ کی قدرت سے آناً فاناً نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور کیا ہمارا روزمرہ کی زندگی کا مشاہدہ نہیں ہے کہ لوگ اکثر نماز کا کچھ حصہ مسجد میں اور کچھ اپنے گھر میں بعض اوقات ادا کرتے ہیں پھر کیپٹن صاحب شہیدوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ قبروں میں تو مردہ ہیں لیکن جنت میں زندہ ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت ایک شخص کو زندہ بھی قرار دیتے ہیں اور مردہ بھی۔ انہیں کون سمجھائے کہ جو زندہ ہے وہ صرف زندہ ہے

اسے مردہ کہنا اللہ پاک کی سورہ بقر کی اس آیت کی نافرمانی کے مترادف ہے جس میں کہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ کہ" جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔ انہیں تم مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں" لیکن کیپٹن صاحب بضد ہیں کہ انہیں مردہ کہیں۔

پھر کیپٹن صاحب کو اور ان کے ہم خیال مسلمان بھائیوں کو یہ بتانے کی بھی ضرورت ہے۔ کہ جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء اللہ کے روضہ مبارک پر جاتے ہیں تو وہ نہ ان کو سجدہ کرتے ہیں نہ پوجتے ہیں بلکہ اللہ پاک ہی کو اپنا معبود مانتے ہیں صرف اسی کو سجدہ کرتے ہیں روضہ مبارک کو بوسہ دینا نہ سجدہ کرنا ہے اور نہ ہی پوجنا بلکہ ان کے تقدس کا احساس رکھتے ہوئے اور انہیں باعث برکت سمجھتے ہوئے وہ بوسہ اسی کیفیت سے دیتے ہیں جیسے کہ حج اور عمرہ کے دوران حجرہ اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح کرنے سے کوئی مسلمان نہ تو حجرا سود کو سجدہ کرتا ہے اور نہ ہی خانہ کعبہ کو۔ عبادت اور سجدہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت پر موقوف ہوتا ہے اس لیے اگر کسی مسلمان کی نیت واضح طور پر یہی ہو۔ کہ وہ سجدہ کرتا ہے تو صرف اللہ کا اور معبود مانتا ہے تو صرف اللہ کو تو ایسے مسلمان کے متعلق یہ فتویٰ صادر کر دینا کہ یہ تو روضہ کو پوجتا ہے یا اس کو سجدہ کرتا ہے۔ سراسر غلط ہے بلکہ ان کے ان اعمال کو دیکھنے والے کے مشاہدے کا نقص اور یہ بات ایسی ہے کہ کوئی غیر مسلم ناواقف شخص کسی مسلمان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر یہ اخذ کرے کہ نماز پڑھنے والا جا نماز یا چٹائی کو سجدہ کر رہا ہے۔ یا اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے کوئی دیوار ہے۔ منبر ہے یا پتھر ہے تو وہ اُسی کو سجدہ دے رہا ہے تو ایسی بات سمجھنے میں قصور نمازی کا نہیں ہے بلکہ دیکھنے والے کی کم نظری کا ثبوت ہے اور ایسا ہی کچھ حال ان لوگوں کا معلوم ہوتا ہے جو مقدس روضوں پر جانے سے گریز کرتے ہیں تو کیا یہ لوگ پھر اپنی نماز ادا کرنے سے بھی گریز کریں گے کیونکہ ان کے نماز کے عمل کو دیکھنے والا غلط طور پر سمجھ رہا ہے اور یہ بات جو کہی جا رہی ہے محض مفروضہ پر مبنی نہیں ہے اس میں قدرے حقیقت بھی ہے۔ ہاں ایک صورت میں انہیں واقعی ان مبارک روضوں پر جانے سے گریز کرنا چاہیئے اور وہ یہ صورت حال ہے کہ اگر وہ اپنے طور یہ خدشہ محسوس کریں کہ وہ روضہ مبارک پر جا کر اس کو (نعوذ باللہ) اپنا خدا جان کر پوجنا شروع کر دیں اور عین عبادت سمجھتے ہوئے اس کا سجدہ کریں۔ اگر کوئی شخص واقعی اس کیفیت کے ساتھ کسی روضہ مبارک پر جاتا ہے تو اُس کو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ اپنی جہالت کے سبب اللہ کے دین سے بہت دور ہے اور گمراہی کی تاریکیوں

Marfat.com

میں بھٹک رہا ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ہمارے علمائے دین کو پوری پوری توجہ دینی چاہیئے۔ تاکہ جو مسلمان بھی روضۂ مبارک پر جائے اپنی صحیح دینی کیفیت اور عقائد کے ساتھ جائے۔ شعائر اللہ کا اپنا اپنا مقام تقدس ہے۔ حجر اسود کا اپنا صفا و مروا کی پہاڑیوں کا اپنا۔ اور روضوں کا اپنا اپنا۔ مثال کے طور پر تو گلاب کا پھول بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ لیکن اسے اگر دیکھنے سے کوئی منہ موڑے۔ تو ایسے شخص کے متعلق آپ کیا سوچیں گے۔

رسولؐ سے ظلم کی بخشش کیلئے دُعا منگوانا لازم ہے: اور جو لوگ اللہ کی برگزیدہ ہستیوں کے مزاروں

پر جا کر دعا مانگتے ہیں تو ان میں سے اکثر کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ وہاں جا کر بھی براہ راست خدا ہی سے سب کچھ مانگتے ہیں لیکن جو بزرگ ہستیوں کو زندہ جان کر ان سے سوالی ہوتے ہیں تو ان کا معاملہ اس کے مطابق ہوتا ہے جیسے کہ ایک سوالی اللہ کے نام پر کسی سے دنیا میں مانگتا ہے اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہے کہ بھلائی یہ نہیں ہے کہ تو (نماز میں) اپنا منہ مغرب یا مشرق کی طرف کرے بلکہ بھلائی یہ ہے کہ تو اللہ پر مکمل ایمان لاتے ہوئے سوالی کو (مشرک نہ سمجھتے ہوئے) اللہ کی راہ میں اپنا مال دے اس طرح اگر کوئی سوالی کو یا فقیر کو یا یتیم کو یا بیوہ کو اس کے مانگنے پر کھانا کھلا دے تو نہ تو کھانا کھلانے والا نعوذ باللہ رازق بن جاتا ہے اور نہ ہی مانگنے والا اسے کسی انداز میں اپنا رازق ماننے کو تیار ہوتا ہے بلکہ مانگنے والا تو اللہ کے نام پر ہی مانگ رہا ہوتا ہے اور اگر مانگنے والا جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد مانگتا ہے تو یہ بات تو نہایت احسن ہے اور قرآن پاک میں سورہ مومن کی آیت کے مطابق۔

اس مقام پر غور طلب بات یہ پیدا ہو رہی ہے۔ کہ جو بندہ اپنی جان پر ظلم کر لیتا ہے۔ اس کیلئے اللہ پاک کیوں یہ کافی قرار نہیں دیتا۔ کہ وہ صرف اللہ تعالےٰ ہی سے خود اپنی بخشش کیلئے دعا مانگ لے اس پر یہ پابندی اللہ جلشانہٗ نے کیوں لگا رکھی ہے کہ وہ حضور رسول کریمؐ کی خدمت میں بھی حاضر ہو اور ان سے درخواست کر کے انہیں اپنی بخشش کیلئے دعا مانگنے پر آمادہ کرے۔ اور پھر اللہ تبارک وتعالےٰ ایسا یقین دلا رہا ہے۔ کہ جب حضورؐ بھی ایسے بندے کی بخشش کیلئے دعا مانگیں گے۔ تو اللہ پاک مہربان ہو جائے گا۔ اور کیا اگر یہ بندہ صرف خود ہی اللہ سے اپنی بخشش کیلئے دعا مانگنے پر اکتفا کرے۔ اور حضور سے بے نیاز ہوتے ہوئے ان کی طرف رجوع نہ کرے۔ تو پھر کیا اللہ مہربان نہیں ہوگا؟ اور ایسے شخص کی براہ راست دعا کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوگا؟ یہ وہ سوالات ہے۔ جو

کہ اس آیت مبارک کا تجزیہ کرنے سے ایسے لوگوں کیلئے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو کہ سختی سے یہ موقف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کہ ہر دعا براہ راست، اللہ سے مانگنی چاہیئے اور اس کی قبولیت کے لئے درمیان میں کوئی وسیلہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ بعض تو ان میں ایسے بھی ہیں۔ جو کہ حضورؐ کو بطور وسیلہ اپنانے کو شرک گردانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے۔ کہ مندرجہ بالا سوالات کا تسلی بخش جواب ڈھونڈ کر اپنے اپنے ضمیر کو کلی طور پر مطمئن کریں۔

جناب کیپٹن مسعود عثمانی صاحب جہاں انبیاء علیہ السلام کو مردہ گردانتے ہیں وہاں وہ ترمذی کی مندرجہ ذیل حدیث کو بھی صحیح جانتے ہوئے اپنے کتابچہ میں بیان کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جا کر یہ دعا پڑھنے کی تعلیم فرمائی، کہ "اے قبروں کے باسیو۔ تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرمائے۔ اور تمہیں بھی۔ تم ہم سے پہلے جا چکے ہو اور ہم تم سے بعد آنے والے ہیں" اگر کیپٹن صاحب اس دعا کو جسے پڑھنا وہ حق جانتے ہیں۔ کا تجزیہ کریں تو واضح ہو جائے گا کہ اہل قبور کو اس دعا میں ہمکلام ہو کر مخاطب کیا جا رہا ہے اور جس سے ہمکلامی کی جائے وہ زندہ ہوتا ہے مردہ نہیں ہوتا۔ اور اسے السلام وعلیکم کہنا بھی جائز ہوتا ہے شرک نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی کچھ مسلمان اس ذہن کے بھی مالک ہیں کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و درود بھیجنا تو جائز مانتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ صرف درود ابراہیمی ہی پڑھ کر ان پر بھیجنا چاہیئے مگر جو سلام و درود میلاد کی محفلوں میں ندا کے انداز میں پڑھا جائے، وہ اس کے قائل نہیں ہیں اس کی دو وجوہات پیش کرتے ہیں ایک وجہ یہ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو مخاطب کر کے ندا دینا یا پکارنا شرک ہے اور دوسری وجہ یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محفل میلاد میں حاضر و ناظر ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ مقام شکر ہے کہ یہ مسلمان بھائی کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ تو مانتے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم ولادت ہی سے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت مانتے ہیں تو ان کو اپنے طور پر محفل میلاد منانے پر کوئی اعتراض یا تنگی محسوس نہیں ہونی چاہیئے اگر یہ اپنے قول کے سچے ہیں تو پھر یہ محفل میلاد ضرور منعقد کریں گے۔ چاہے یہ ندائی درود و سلام کی بجائے درود ابراہیمی ہی کیوں نہ پڑھیں۔

ہو سکتا ہے۔ کہ اس مقام پر کسی بھائی کا ذہن سورۃ البقر کی اس آیت مبارک کی طرف جائے جس میں کہ ارشاد ربانی ہے۔ کہ "اور جب سوال کریں تجھ کو بندے میرے مجھ سے۔ پس تحقیق میں نزدیک ہوں جواب دیتا ہوں پکارنے کا پکارنے والے کو جب پکارتا ہے (وہ) مجھ کو" ظاہر ہے کہ اس آیت مبارکہ کی بدولت مسلمان یقیناً اللہ پاک سے براہ راست یعنی بغیر حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے وسیلہ سے دعا مانگ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ شرط ضرور لاگو ہے کہ دعا مانگنے والا شخص واقعی اللہ کا ایسا بندہ ضرور ہو۔ جس نے کہ اپنی جان پر کسی گناہ کے سبب کوئی ظلم نہ کیا ہوا ہو۔ کیونکہ اگر کسی نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو تو پھر ایسے شخص کیلئے یہ لازم ہے۔ کہ وہ اپنی بخشش کیلئے نہ صرف اللہ تعالےٰ سے خود ہی دعا مانگے۔ بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی بخشش کیلئے رب العزت سے دعا مانگیں۔ تاکہ ایسے شخص کی دعا کے قبول ہونے کے راستے میں جو رکاوٹ اس کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے وسیلہ سے دور ہو جائے۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی اپنے عاجز و گناہگار بندوں پر خاص عنایت ہے۔ کہ اس نے ان کی خطاؤں کو معاف کرنے کیلئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنے کا حق آپکی امت کے ہر فرد کو دے رکھا ہے۔ اس لحاظ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے یہاں یہ بات اب واضح ہو جانی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ صرف ایسے لوگوں کو کافر و مشرک کہتا ہے۔ جو کہ سوائے اللہ کے یعنی اللہ کی نفی کرتے ہوئے اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہوئے غیر اللہ سے اپنی حاجت روائی کیلئے مدد مانگتے ہیں۔ اور انہیں پکارتے ہیں۔ لیکن جو مسلمان ہیں۔ وہ سب یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اللہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور جو کچھ بزرگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کی ہے۔ وہ تمام تر اللہ تعالےٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ اس لئے جو امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر سوالی بن کر جاتا ہے۔ وہ دراصل اپنے اللہ تبارک و تعالےٰ ہی سے مانگ رہا ہوتا ہے۔ عملاً اور نیتاً دونوں لحاظ سے درود ابراہیمی کی فضیلت سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ جبکہ خود اللہ تبارک و تعالےٰ اور جناب رسول کریمؐ اس درود و سلام کا حوالہ دے رہے ہوں۔ جو کہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم کے لئے مخصوص کیا۔ اس میں شک نہیں کہ درود نہایت اعلیٰ و مثالی ہے۔ لیکن یہاں یہ بھی کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس درود کی وجہ سے دوسرے درود و سلام کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ پاک نے کسی جگہ یہ پابندی نہیں لگائی۔ کہ حضورؐ پر کونسا درود و سلام بھیجا جائے۔ اور کونسا نہ بھیجا جائے اسکی واضح ہدایت صرف اتنی ہے کہ اس کے رسولؐ پر ان کے امتی بھی درود و سلام بھیجیں۔ یہاں تک کہ اللہ جو اپنا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خود بھیجتا ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ نہیں بتاتا۔ اور یہ سارے اشارے اس بات کی دلیل ہیں کہ پابندی صرف یہ لگائی گئی ہے۔ کہ رسول پاکؐ پر درود و سلام ضرور بھیجا جائے۔ لیکن یہ پابندی کوئی نہیں ہے کہ کونسا درود و سلام بھیجا جائے۔ درود و سلام بہر حال درود و سلام ہی ہے۔ اور اس کی اپنی مخصوص افادیت ہے۔ اس لئے جو لوگ ندائی درود پر معترض ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے

Marfat.com

کہ جو اسلام و درود محفل میلاد میں پڑھا جاتا ہے وہ ہوتا ہے "یا نبی سلام علیک" اگر آپ اس کا عربی زبان میں ترجمہ کریں گے تو "السلام علیک ایھا النبی" کے سوا اور کچھ نہ ہوگا جو کہ آپ حضرات دن میں پانچوں نمازوں میں بار بار "التحیات" میں پڑھتے ہیں اس لئے اگر آپ نماز میں "یا نبی سلام علیک" کو بار بار پڑھ کر مشرک قرار نہیں پاتے تو یقین رکھیں کہ محفل میلاد میں اسی درود و سلام کو جو لوگ پڑھتے ہیں وہ مشرک نہیں ہو جاتے۔ پھر آپ کے علم میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ جس کو آپ زندہ سمجھتے ہیں ان کو آپ روزمرہ کی زندگی میں مخاطب کرتے ہیں ندا دیتے ہیں۔ لیکن شرک کرنے کا خوف آپ پر طاری نہیں ہوتا۔ اور بلکہ بعض دفعہ تو آپ اپنے مسلمان عزیز یا دوست کو جو کہ حاضر و ناظر ہونے کی بجائے کہیں دور دراز ملکوں میں قیام پذیر ہوتا ہے اس کو بھی بے خوف و خطر اسلام علیکم کر کے مخاطب کرتے ہیں اور آپ بھی مشرک نہیں بنتے۔ اگر آپ کا یہ سلام و پیغام ایک خط کے وسیلہ سے آپ کے اس عزیز کو پہنچ سکتا ہے تو کیا جو درود و سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے بھیجا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے وسیلہ سے ان تک نہیں پہنچ سکتا اور پھر کیا کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا ہے کہ آخر یہ درود و سلام ہے کیا۔ جو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کے حضور میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر یہ دعا مانگتے ہیں کہ اللہ تو جناب نبی کریم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کر۔ ہم اپنی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں دیتے اور ہم ان کو اپنے تئیں کچھ عطا کرنے کی کیا صلاحیت رکھتے ہیں جو اتنا شور و غوغا کرتے ہیں۔ کہ ہم ان پر یہ بھیجیں گے اور یہ نہیں بھیجیں گے۔ جس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ چاہے وہ ندائی ہو یا اور کوئی دوسرا یا ایسا ہی وہ ایک دعا کی حیثیت میں پہلے اللہ پاک کے حضور پہنچتا ہے جہاں اسے شرف قبولیت عطا ہوتا ہے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اس درود و سلام کے صدقے میں نازل ہوتی ہیں اور جناب رسول کریم اس سلام و درود سے اس قدر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ اس کا اظہار بیان ممکن نہیں۔

مشاہدہ کرنے والے خوش نصیب مسلمان تو یہاں تک بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر جا کر سلام و درود پڑھا جاتا ہے۔ تو آپ انتہائی خوشی کی حالت میں قہقہہ لگاتے ہوئے اٹھ کر بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ قبر غائب ہو جاتی ہے۔ اور سلام و درود بھیجنے والے سے آپ نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے عاجز و مسکین بندے کیلئے اس کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ جن کا کہ بیان کرنا بندہ اپنے اوپر حکم خداوندی کے تحت واجب و لازم

Marfat.com

سمجھتا ہے۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس قسم کے مشاہدات کو کوئی کم بصیرت انسان سن لے تو ان پر اپنے شک و شبہات کی وجہ سے یقین نہ کرے۔ ایسا شخص روحانیت کے میدان میں قدم رکھنے کا دم تو بھرے۔ لیکن اسے موجودہ دور کے جھوٹ سے بھرپور سیاست کے اکھاڑہ سے زیادہ اہمیت نہ دے۔ اور اس وجہ سے یہ سمجھنے سے بالکل قاصر رہے کہ اللہ کے مخلص نیک بندے کیلئے کسی کے ساتھ جھوٹ بولنا اور پھر دین جیسے اہم ترین معاملہ میں جس کا براہ راست تعلق قادر مطلق کی ذات سے ہے۔ کسی قسم کا کسی پہلو سے دھوکا دینا قطعاً نا ممکن ہے۔ اس کیلئے دین کی پابندیوں کے تحت اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ صرف اور صرف حق بات ہی کہے۔

عقیدت مند شاہ ولی اللہؒ کی آنکھوں سے دیکھیں

پاکستان میں مسلمانوں کے اس خاص طبقہ کی طرف اب رجوع مقصود ہے۔ جو کہ بظاہر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات سے بے حد متاثر دکھائی دیتا ہے۔ اور انہیں اپنا دینی راہنما مانتے ہوئے ان سے ضروری عقیدت بھی رکھتا ہے لیکن انبیاءؑ کو اپنی قبور میں زندہ ماننے سے گریز بھی کرتا ہے۔ اندریں حالات مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرف بھی تھوڑا سا رجوع خصوصیت کے ساتھ کیا جائے تاکہ اس معاملہ میں ان کا موقف معلوم کیا جا سکے۔ شاہ صاحب اپنی کتاب "فیوض الحرمین (مترجم اردو)" کے صفحہ ۱۸ پر بعنوان "مشاہدہ اجمالی۔ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ اور روضۂ اقدس علے صاحبہا الف الف صلوٰۃ و الف الف تسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تو میں نے روح مبارک و مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً اور عیاناً دیکھا۔ نہ صرف عالم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں ان آنکھوں سے قریب۔ تو میں سمجھ گیا۔ کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی امامت فرماتے ہیں۔ وغیر ذلک کہ یہ سب اسی دقیقہ کی باتیں ہیں۔ اسی طرح اکثر لوگ کوئی بات زبان پر نہیں لاتے۔ مگر جو ان کی ارواح پر کسی علم کی وجہ سے مترشح ہو۔ تو یہ چیز حقیقتاً ہو یا اس کی صورت پھر۔ اسے ایک بیان کرتا ہے اور دوسرا اس چیز کو جسے اجمالی طور پر معلوم کیا قبول کر لیتا ہے۔ اور تیسرا سنتا ہے۔ تو وہ اس کی اور وجہ سے تائید کرتا ہے۔ اور چوتھا سنتا ہے۔ تو وہ اس کے مناسب ایک اور صورت بیان کر دیتا ہے اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کی جماعت اس پر متفق ہو جاتی ہے۔ اور ان کا اتفاق ایسے معاملات میں مہمل نہیں ہے۔ لہذا تو ان مشہورات

Marfat.com

عوام کی تحقیر نہ کر۔ مگر تو اس میں ان اسرار کو سمجھ جنہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر میں روضۂ عالیہ مقدسہ کی طرف چند بار متوجہ ہوا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لطافت میں لطافت کے بعد ظہور فرمایا۔ گاہے تو بصورت عظمت اور ہیبت جلوہ افروز ہوئے۔ اور کبھی جذب و محبت اور انسیت و انشراح کی شکل میں ظاہر ہوئے اور کبھی سریان کی شکل میں۔ حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ تمام فضائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے لبریز ہے۔ اور روح اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تیز ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے۔ حتیٰ کہ دیکھنے والے کو موجیں ملاحظہ اقدس کی طرف نظر کرنے سے روک رہی تھیں۔ اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اصلی صورت کریمہ میں بار بار دیکھا باوجودیکہ میری تمنا اور آرزو تھی۔ کہ روحانیت میں دیکھوں نہ کہ جسمانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ تو میری یہ بات سمجھ میں آئی کہ آپ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم صلی اللہ علیہ وسلم میں کرنا اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی طرف آپ نے اپنے قول مبارک سے اشارہ فرمایا ہے۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو موت نہیں آیا کرتی۔ وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھا کرتے اور حج کیا کرتے ہیں۔ اور وہ زندہ ہوا کرتے ہیں۔ اور جس وقت بھی میں نے آپ پر سلام بھیجا۔ تو آپ مجھ سے خوش ہوئے۔ اور انشراح فرمایا۔ اور ظہور فرمایا۔ اور یہ سب باتیں اس لئے ہیں۔ کہ آپ رحمت اللعالمین ہیں۔"

شاہ ولی اللہ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ جب تک آپ نے بذات خود حضورؐ کے روضۂ اقدس پر یہ مشاہدہ نہ کیا کہ حضور رسالت مآب زندہ ہیں۔ اس وقت تک آپ اسرار الٰہیہ سے روشناس نہ ہو سکے۔ اور اپنی علمی بساط پر یہ معلوم کرنے سے عاجز رہے کہ کیا واقعی انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ لیکن مشاہدہ ہو جانے کے بعد آپ پر یہ حقیقت وا شگاف ہو گئی۔ اور اس مشاہدہ کے ذریعے چونکہ اللہ اپنے غیب کے راز و حقیقت کو اپنے خاص مقبول بندے پر کھولتا ہے۔ مشاہدہ سے سرفراز ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں یہ تو تمام تر اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ جو کہ اللہ اپنے جس بندے پر جتنا اور جب چاہتا ہے کرتا ہے۔

حاضر و ناظر کا مسئلہ

جو مسلمان یہ نقطۂ نظر کے حامی ہیں۔ کہ چونکہ حضور رسول کریم محفل میلاد میں بظاہر حاضر و ناظر نہیں ہوتے اس لئے ان کو درود و سلام بھی حاضر سمجھتے ہوئے ندا نہیں دینی چاہیے۔ اور نہ ہی آپؐ کو مخاطب کر کے پکارنا چاہیے۔ کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس لئے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کو پکارنا شرک کے مترادف ہے۔ لیکن شاہ ولی جیسے اللہ کے نیک بندے تو اپنے عقیدتمندوں کی راہنمائی

Marfat.com

کے لئے یہ تیار رہے ہیں۔ کہ انبیاءؑ زندہ ہیں۔ قبروں میں اپنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج ادا کرتے ہیں۔ اور جب سرکار دوجہاںؐ پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ وہ اس کو سنتے ہیں۔ سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور بعض خوش نصیبوں کو شرف ملاقات بھی بخشتے ہیں۔ اندریں حالات جو لوگ اب بھی یہی موقف رکھتے ہوں۔ کہ جو حاضر و ناظر نہ ہو۔ اسے پکارنا یا مخاطب کرنا ان کے نزدیک شرک سے کسی طرح کم نہیں۔ تو پھر ایسے لوگوں کو چاہیئے۔ کہ وہ جب اپنے کسی صاحب سے ملنے جایا کریں۔ تو ان کے دروازے پر جا کر دستک نہ دیا کریں۔ انہیں پکارا نہ کریں۔ کیونکہ اکثر اوقات جس کو کہ وہ جا کر پکارتے ہیں۔ وہ عین پکارنے کے لمحات کے دوران پکارنے والے کو نظر نہیں آرہا ہوتا۔ اور بعض اوقات تو پکارے جانے پر ملتا بھی نہیں۔ کیونکہ وہ پکارے جانے کے وقت گھر یا دفتر میں حاضر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وقت کسی دوسرے شہر یا ملک میں گیا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیئے اگر ان حالات میں اپنے صاحب کو جبکہ وہ حاضر و ناظر نہیں جا کر ملنے کی غرض سے پکارنا اگر شرک نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح کسی دوسرے شہر یا ملک میں مقیم اپنے کسی عزیز کو خط میں اسلام علیک لکھنے سے اور خط میں اسے حاضر کے صیغہ میں خطاب کرنے سے شرک نہیں ہوتا۔ تو آپ یقین رکھیں۔ کہ حضورؐ کو مخاطب کرنے اور درود و سلام بھیجنے سے بھی شرک نہیں ہوتا۔ کیونکہ یاد رکھیں۔ کہ شرک صرف اسی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ کسی غیر اللہ کو اللہ جان کر پکارا جائے۔ یا اس کی عبادت کی جائے۔ ورنہ نہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ کسی شخص کے صرف عمل کو دیکھ کر اپنے فہم کے مطابق اپنے تئیں غلط نتیجہ اخذ کر کے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ جس شخص کے عمل سے وسوسہ پیدا ہو رہا ہو۔ اس کی نیت کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ صرف صحیح صورت حال سے آگاہی ہو سکے کیونکہ اگر کسی عمل کرنے والے کی نیت میں شرک کرنے کی قطعاً ذرہ بھر گنجائش نہیں۔ تو ایسے شخص کے متعلق مشرک کا فتویٰ دینے والا خود شرک کرنے کی زد میں آئے گا۔ اور نیتوں کا حال تو صرف اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔

مردوں کو ہدایت دینے کیلئے پکارنا کفر نہیں

اور اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ مردوں کو پکارنا شرک ہوتا ہے تو یہاں بھی پکارنے پکارنے میں بڑا فرق ہے۔ غور کرنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کافروں کو مردہ قرار دیتے ہوئے انہیں پکارتے ہیں۔ اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اور رسول مقبولؐ حق کی دعوت کی غرض کی خاطر ان

کافر مردوں سے مخاطب بھی ہوتے ہیں۔ اور ان سے ہمکلامی بھی کرتے ہیں۔ جو کسی پہلو سے شرک نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مردوں کو پکارنا اور ان سے ہمکلامی کرنا بھی شرک نہیں ہے۔ البتہ جو مردوں کو اللہ جان کر یا اللہ کی خصوصی صفات کا حامل مان کر ان کو پکارتے ہیں۔ اور یہ مردے بت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور چلتے پھرتے کافر لوگ بھی۔ تو ایسے پکارنے والے لوگ یقیناً مشرک ہیں۔ کافر ہیں مردہ ہیں۔ اور ان کا حال یہ ہے۔ کہ مردے مردوں کو ہی اپنی مدد کیلئے پکارتے ہیں۔

زندہ کرنے والا خود کبھی مُردہ نہیں ہوتا۔ قران مجید میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی نشانیوں پر مناسب غور و فکر کر کے پہچانیں۔ ہم جو دن رات حضورؐ پر درود سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے فرشتے بھی اس پر درود اسلام بھیجتے ہیں۔ تو اس درود سلام کا ان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہؐ مردہ ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے مردہ کے عام تصور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کے کسی قسم کے اثرات مرتب ہونا بے معنی سی بات ہے۔ اور مردہ پر جو درود سلام بھیجا جائے گا تو وہ معلق ہو کر رہ جائے گا۔ چاہے اسے اللہ اور اس کے فرشتوں ہی نے کیوں نہ حضورؐ کی ذات اقدس پر بھیجا ہو۔ وہ تو اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ان تک پہنچنے سے عاجز و قاصر رہے گا۔ اس لئے جو لوگ اس انداز میں سوچنے کی جسارت کرتے ہیں۔ انہیں ہوش کے ناخن لینے چاہییں کیونکہ وہ اپنی بھٹکی ہوئی عقل کی بساط پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی فکر کے مطابق اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا درود و سلام بھیجنے سے عاجز و قاصر قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ لوگ یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ تو پھر انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضورؐ زندہ ہیں اور اللہ کے اور اس کے فرشتوں کے اور اس کے مومن بندوں کے درود سلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستفید بھی ہوتے ہیں۔ اور جیسے کہ سورہ انفعال میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان لوگوں کو پکار کر زندہ کرتے ہیں۔ جو ان کی پکار کو قبول کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے ہمارے لئے یہ سوچنے کا مقام پیدا ہوتا ہے کہ جو مردوں کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اپنی موت کے بعد بھی ہم مردوں کو زندہ کر رہا ہو۔ ہمیں مومن بنا رہا ہو۔ وہ خود کیسے مردہ ہو سکتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین سے زندہ ہونے کا ثبوت: پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت نے جو

رحمۃ اللعالمین کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا ہے۔ تو اس خصوصی فضل و عنایت کے معنی یہ ہیں کہ آپ سب جہانوں کیلئے ہمیشہ تک رحمت ہیں۔ اور آپ کی رحمت سے سب جہانوں کی ہر شئے کو مستفید ہونے کا حق ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیئے ضروری بصیرت رکھتے ہوئے آپ کی رحمت کے طلب گار اور متمنی ہوں اور آپ بھی اس پر اپنی رحمت کرنا منظور فرمالیں۔ اگر آپ کی رحمت سے سب جہاں فیضیاب نہ ہو سکتے ہوں۔ تو پھر آپ کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت اللعالمین قرار پانا بے مقصد و معنی قرار پائے گا۔ آپ محض لفظی طور پر تکلفاً تو رحمت اللعالمین نہیں ہیں۔ یہ آپ کے لیئے کوئی ایسا لقب تو نہیں کہ جس کا کوئی مقصد اور کوئی افادیت نہ ہو۔ آپ کا رحمت اللعالمین ہونا تو اس بات کا بین ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ کہ تمام عالم کی مستحق اشیاء آپ کی رحمت سے فیضیاب ہو رہی ہیں۔ اور یہ بھی آپ کے زندہ ہونے کی ایک کھلی نشانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں اس معاملہ میں بھی کوئی کجی پیدا ہو۔ اور وہ کہے۔ کہ رحمت کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصا ہے۔ اس میں تو کسی کو شک نہیں۔ کہ اللہ اپنے بندوں پر رحمت بھیجتا ہے لیکن وہ یہ بھی تو خود ہی کہتا ہے کہ اس کے فرشتے بھی رحمت بھیجتے ہیں جیسے کہ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے۔ کہ ”ہو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور۔ ترجمہ۔ وہی (اللہ) ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔ کہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں“۔ اور حضورؐ کو رحمت اللعالمین بنانے والا بھی خود اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کون جانے کہ جو رحمت رسول پاکؐ کی جانب سے تمام جہانوں پر ہو رہی ہے اللہ کے نزدیک یہ رحمت اللہ ہی کی طرف سے رحمت قرار پا رہی ہو۔ جیسے کہ وہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ جس نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اس نے اللہ ہی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

میثاق سے زندہ ہونیکا روشن ثبوت:

اس وقت تک زندہ اور مردہ کے مسئلہ پر کافی لکھا جا چکا ہے۔ جو ایک مخلص حق کے متلاشی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کافی ہونا چاہیئے۔ لہذا اب اس موضوع پر صرف ایک اور روشن مثال دے کر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔ میثاق کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ جب وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش سے کہیں پہلے عالم ارواح میں تمام انبیاءؑ کو اکٹھا کیا۔ اور ان سب سے یہ عہد لیا۔ کہ جب ان سب انبیاءؑ کے بعد ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں آئے۔ جو کہ اللہ کی ان کتابوں

Marfat.com

کو سچا کرے۔ جو انبیاءؑ کو اس کے آنے سے پہلے دی گئی ہوں گی۔ تو اس وقت تمام انبیاءؑ اس (حضورؐ) پر ایمان لائیں۔ اور اس کی تمام مدد بھی کریں۔ اور میثاق کے اس تمام واقعہ پر انبیاءؑ کو گواہ ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ بذات خود بھی اس پر گواہ بن بیٹھا۔ تاکہ کسی کو اس واقعہ کے کسی پہلو سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہ آئے۔ لہٰذا اس مقام پر ہم سب کو اپنے ہوش و حواس کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے اور اس بارے میں اپنی طبعیت کے مختلف رجحانات کو قابو میں رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اللہ پاک میثاق کے واقعہ کو قرآن مجید میں بیان کرنے پر ہی اکتفا کیوں نہیں کرتا۔ جو کچھ کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ کیا وہ اللہ کے کلام ہونے کی خاطر خواہ گواہی نہیں ہے۔ تو پھر اس واضح گواہی کی موجودگی میں اللہ کا خود گواہ بن بیٹھنا کس بات کی نشاندہی کر رہا ہے۔

میری دانست و بصیرت میں اللہ پاک میثاق کے واقعہ کو انتہائی اہمیت کا حامل قرار دے رہا ہے۔ تاکہ کسی شخص کے لیے اس پر کسی قسم کا شک و شبہ کرتے ہوئے اپنے لیے کوئی فرار کی راہ نکالنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور اگر کوئی خدانخواستہ ایسی کوشش کرنے کا مرتکب ہو۔ تو پھر وہ اللہ تعالیٰ اسے اپنا محاسبہ کرانے کیلئے پوری طرح تیار رہو جائے۔ کیونکہ قادر مطلق بڑے سادے اور واضح الفاظ میں فرما رہا ہے۔ کہ جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاءؑ کے بعد اس دنیا میں تشریف فرما ہوں گے۔ یا دوسرے لفظوں میں حضورؐ کی بعثت ہو گی تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیاء جو آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں تشریف لا چکے ہوں گے۔ اور جو اس مادی دنیا میں ہمارے بعضوں کے نزدیک مر جانے کے بعد اب صرف مردہ ہیں۔ وہ سب انبیاءؑ اپنے میثاق کے تحت حضورؐ نبی کریم پر نہ صرف ایمان لائیں گے۔ بلکہ حضورؐ کی مدد بھی فرمائیں گے۔ اب جو لوگ انبیاء علیہ السلام کو مردہ مانتے ہیں ان کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص جو کہ ان کے تصور مردہ کے مطابق مردہ ہو۔ تو وہ کیسے کسی پر ایمان لا سکتا ہے۔ اور کیسے کسی کی مدد کرنے کیلئے سرگرم عمل ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان لانے والے کے لیے بھی اس کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ اور مدد کرنے والے کیلئے بھی زندہ ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ کہ ایمان لانے والا محض زندہ ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ وہ شخص اپنے اللہ اور رسول پر پورے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے ایمان لائے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ قدرے نشے یا غنودگی کی حالت میں ایمان لا رہا ہو۔ ایسی حالت

Marfat.com

میں ایمان کالانا نشے یا غنودگی کی حد تک ناقص تصور ہوگا۔ چہ جائیکہ کوئی مردہ ہو۔ جو شخص جتنا زیادہ بیداری کی حالت میں ہوگا اتنا ہی بہتر اس کا ایمان لانا ہوگا۔ یہ معاملہ تو صرف ہم عام مسلمانوں کے لئے شرط ہے۔ لیکن جس وقت ایمان لانے والے خود انبیاءؑ کی ذات قدس ہو۔ تو ان کی بیداری اور شعور کا کیا عالم ہوگا۔ جبکہ وہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور اللہ تعالےٰ کے گواہ وہاں موجود ہونے کے ایمان لا رہے ہوں گے اب اگر یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد بھی کوئی شخص انبیاءؑ کو مردہ ہی تصور کرنے پر اصرار کرے۔ تو اس جیسا بدنصیب پھر اور کون ہوگا۔ ایسے گمراہ کو تو پھر اللہ تبارکؔ تعالیٰ ہی ہدایت دے تو دے۔ یہ عاجز و ناتواں بندہ تو اس کے لئے اپنے رب العزت سے دعا ہی کر سکتا ہے۔

شیعہ سنی بھی دینی بھائی ہیں: اسی طرح بعض دفعہ شیعہ اور سنی بھائیوں میں اختلافات نمودار ہو جاتے ہیں۔ خاص کر یہ اختلافات محرم الحرام کے دنوں میں شدت اختیار کر جاتے ہیں۔ ہمیں شدت جذبات میں یزید سے تو ضرور نفرت کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ شیعہ اور سنی آپس میں دینی بھائی ہیں انہیں دشمنان اسلام کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جو کہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ انہیں کسی نہ کسی طرح اشتعال دلا کر آپس میں الجھا دیا جائے۔ حالانکہ کوئی سنی ایسا نہیں ہے۔ جو حضرت امام حسینؑ کی دل و جان سے ادب و احترام نہ کرتا ہو۔ سب جانتے ہیں۔ کہ آپ نے حضور رسول پاکؐ کے پیارے نواسے ہیں۔ اور آپ نے کربلا کے میدان میں اپنے اللہ کی راہ ایسی عظیم الشان قربانی دے کر اسلام کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ جس کی کہ مثال نوع انسانی کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اس قربانی نے آپکو سید الشہداء کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا ہے۔ اس فقید المثال قربانی کے دو پہلو ہیں۔ ایک دنیاوی اور دوسرا روحانی۔ دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو کربلا کا میدان سامنے آتا ہے۔ یزید کی بربریت و درندگی سامنے آتی ہے۔ جسے دیکھ کر انسانیت خون کے آنسو روتی ہے۔ اور دنیا ماتم کدہ بن جاتی ہے۔ دوسرا پہلو روحانی ہے جسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ قادر مطلق نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ کائنات کو مشاہدہ کرائے کہ اس کا بندہ خود کو کس طرح اس کی راہ میں قربان کرتا ہے۔ اس امتحان کے لئے رب العزت نے اپنے سب سے مناسب بندے کو چنا۔ اس نے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے رب کا امتحان نہایت احسن انداز میں پاس کیا۔ وہ زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں لگاتا۔ وہ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ موت تو بہر حال سب کو آنی ہے۔ وہ اس کٹھن امتحان کو اپنے تئیں غنیمت جانتا ہے۔ اور اسے

Marfat.com

نہایت خوش اسلوبی سے پاس کر کے اب نہایت خوش و مطمئن ہے۔ اس کا رب بھی اس پر بے حد خوش ہے۔ اس کے نانا اس پر خوش ہیں۔ باپ خوش ہیں۔ اور والدہ محترمہ بھی خوش ہیں۔ یہ سب اپنے لاڈلے پر جتنا بھی فخر و ناز کریں بجا ہے۔ کیونکہ اس نے کربلا میں اسلام کو دوبارہ زندہ کر کے امتِ مسلمہ پر بڑا احسان کیا ہے۔

ہم مسلمان کتنے خوش قسمت ہیں۔ کہ اللہ تعالے نے ہمیں حضورؐ کی امت میں پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ حالانکہ چودہ سو برس گزر چکے ہیں اور ہر شخص اپنے اعمال کا اللہ کے ہاں جوابدہ بھی ہے۔ لیکن ہم حضورؐ کی اولاد سے پیدا ہونے پر کس قدر خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس کو تمام تر اللہ کا احسان و عنایت مانتے ہیں۔ اسی ہی کا فیصلہ اور انتخاب مانتے ہیں۔ بالکل اسی طرح طرح کا معاملہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابہ کرام کا ہے۔ جن کا کہ صحابیت کے لیے انتخاب فرما کر اللہ نے انہیں وہ بزرگی و مقام عطا کیا ہے کہ جس کا جتنا بھی احساس و احترام کیا جائے کم ہے۔ اس طرح ہمارے لیے نہایت واجب الاحترام و عقیدت حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور جو کوئی ان کی بزرگی پر شک کرے یا اعتراض کرے تو وہ سوائے اپنی گمراہی کا ثبوت دینے کے اور کچھ نہیں کرتا۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہیے۔ کہ ایسا کرنا اللہ تعالے کے فیصلہ پر تنقید کر کے دین سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ ہم سب کو ایسے شر سے بچائے اور اپنے ہر فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس مقام پر اب میں اپنا قلم روکتا ہوں۔ مضمون کتاب ختم کرنے سے ایک بار پہلے پھر اپنے اللہ پاک سے دعا گو ہوں۔ کہ اے اللہ میری دین کی خدمت کے لیے اس ادنےٰ و حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت بخش۔ اور اس کو پیارے دین کی مناسب تبلیغ اور مسلمانوں کی دینی ترقی کا سبب بنا اور اگر اس کتاب کے لکھنے اور بیان میں مجھ سے کہیں ذرہ بھر بھی غلطی یا کوتاہی تیرے حساب سے سرزد ہوئی ہے۔ تو اے اللہ تو مجھے معاف فرما۔ کیونکہ تیری ذات تو غفور الرحیم ہے اور میری نیت کو تیرے سوا اور کون بہتر جانتا ہے۔ اور میں اپنے ان دینی بھائیوں سے بھی معافی کا خواستگار ہوں جنہیں اس کتاب کے لکھے جانے کی وجہ سے کوئی رنج یا تکلیف پہنچی ہو۔ میں نے تو اپنے طور پہ ہر چند کوشش کی ہے کہ میں اپنے سب بھائیوں کے دینی جذبات کا پورا پورا خیال و احترام رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے آگے بڑھاؤں۔ تاکہ ہم سب خلوص دل سے اپنے دین کی بدولت بھائی بھائی بن جائیں۔ ہم میں دینی اتحاد ہو۔ اخوت ہو۔ اور دین کے دشمنوں کے لیے ہم واقعی سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوں۔

Marfat.com

دار المطالعہ
کتاب نمبر ۱۰۵

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

Marfat.com

گجرات (رجسٹرڈ)
دار المطالعہ
کتاب نمبر 104

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا دشمنانِ اسلام کی یلغار کے مقابلہ میں
ہمارے دینی اختلافات زیادہ اہم ہیں؟

دین کے آئینے میں

تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں اور
علمائے دین کے لیے خصوصی دعوتِ فکر

از

ڈاکٹر ارشد اللہ (ہومیو)

Marfat.com